بسم اللہ الرحمن الرحیم

سیرت

امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالی

ترجمہ

حسن التقاضی فی سیرۃ الامام أبی یوسف القاضی

ولادت ۹۳ھ یا ۱۱۳ھ وفات ۱۸۲ھ

تالیف

الامام محمد زاھد

الکوثری رحمہ اللہ تعالی

المتوفی ۱۳۷۱ھ

ترجمہ

فضل الرحمن الاعظمی

خادم الطلبہ والعلوم مدرسہ عربیہ

اسلامیہ آزادول جنوبی افریقہ

ناشر

مدرسہ دعوۃ الحق 9362 آزادول 1750 جنوبی افریقہ

فہرست حسن التقاضی فی سیرۃ الامام ابی یوسف القاضی مترجَم

۱	عرضِ مترجم	۵
۲	تذکرہ علامہ کوثریؒ	۷
۳	علامہ کوثری کا علمی مقام	۱۰
۴	مصنف (کوثری) کا دیباچہ	۱۳
۵	امام ابو یوسفؒ کا نسب	۱۷
۶	امام ابو یوسفؒ کی ولادت اور اس میں اختلاف کی تحقیق	۱۹
۷	امام ابو یوسفؒ کی امام ابو حنیفہؒ کی مجلس میں حاضری	۲۱
۸	امام ابو یوسفؒ کا علمی ماحول	۲۴
۹	کوفہ کی اہمیت دوسرے شہروں کے مقابلہ میں	۲۴
۱۰	شاگردوں کو فقیہ بنانے کا طریقہ	۲۸
۱۱	امام کا قوی حافظہ اور اعلیٰ ذہانت	۲۹
۱۲	فقہ و حدیث میں شیوخ و اساتذہ	۳۳
۱۳	علم کی طرف ان کی گہری توجہ	۳۶
۱۴	اپنے شاگردوں کو پڑھانے میں صبر و تحمل	۳۶
۱۵	کچھ تلامذہ اور شاگرد	۳۷
۱۶	اجتہاد میں ان کا مقام اور اصل و فرع کی تطبیق میں ان کی گہری نظر	۴۰
۱۷	مجتہدین کی تقسیم	۴۲
۱۸	ان کے بارے میں اہلِ علم کی تعریف	۴۶
۱۹	ان کی بہت سی تصنیفات	۵۲

۲۰	ان کے زمانہ میں علم کلام کے مختلف فیہ مسائل میں ان کی رائے	۵۵
۲۱	امام مالکؒ کے ساتھ ان کی ملاقات	۶۰
۲۲	محمد بن اسحاق سے مغازی اور سِیَر کا علم حاصل کرنا	۶۴
۲۳	کیا امام شافعیؒ کے ساتھ ملاقات ہوئی ؟	۶۹
۲۴	کچھ غلط روایتیں	۶۹
۲۵	اپنے دوستوں کے ساتھ بعض واقعات	۷۵
۲۶	محدثین کے ساتھ ان کی مہربانی	۷۵
۲۷	امام کے بعض ارشادات اور ملفوظات	۷۹
۲۸	ان کے جوابات اور فیصلوں کے چند نمونے	۸۲
۲۹	امام ابو حنیفہؒ کی مجلس سے ایک مدت تک غیر حاضری یہ سمجھ کر کہ اب مجھ کو ان کی ضرورت نہیں	۸۷
۳۰	امام ابو یوسفؒ کا مذہب امام اعظمؒ کے ساتھ کیوں مدوّن ہوا	۸۹
۳۱	خلفاء کے ساتھ امام کے کچھ واقعات	۹۴
۳۲	تنگیوں سے نکلنے کے لئے کچھ فقہی تدابیر (حیلے)	۱۰۰
۳۳	ابو حفص کبیر	۱۰۵
۳۴	امام کی وفات	۱۰۸
۳۵	امام اعظمؒ کی امام کو وصیت ، بڑی اہمیت کی حامل ہے	۱۱۳
۳۶	ابن کمال پاشا کی تقسیم طبقات فقہاء	۱۲۲ ـ ۱۲۳
۳۷	شہاب الدین مرجانی کی اس پر تنقید اور تحقیقِ عجیب	۱۲۵
۳۸	شیخ مرجانی کے حالات	۱۳۸
۳۹	مآخذ و مصادر	۱۴۰
۴۰	مترجم مدظلہ کے مختصر حالات و ہماری دیگر مطبوعات	۱۴۳

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرضِ مترجم

الحمد للّٰه الذی أعلیٰ منازل الفقهاء و شرّف قدرَهم تشریفاً یوازن خدماتهم للشریعة الغراء ، و الصلوة و السلام علی سید الأنبیاء و سند الأصفیاء سیدنا محمد و آله وصحبه البررة الأتقیاء و القادة النُجباء .

أما بعد !

مدرسہ مفتاح العلوم مئو سے فراغت کے بعد جب تخصص فی الحدیث والفقہ کے شعبہ میں مَیں کام کر رہا تھا، اُس وقت حضرت محدثِ جلیل اور علامۂ کبیر حبیب الرحمٰن اعظمی امیر الھند نور اللہ مرقدہ کے حکم سے افتاء کا کام بھی کر رہا تھا اور حضرتؒ نے مدرسہ کے مفتی اور ہمارے استاذ مفتی عبد الباری قاسمیؒ سے فرمایا تھا کہ اس کو بھی کچھ استفتاءات دیے دیا کیجئے یہ جواب لکھے گا، اسی وقت کچھ تصنیفی کام بھی میرے سپرد تھا، کچھ تدریسی کام بھی، ان کاموں میں مَیں نے تقریباً ڈھائی سال مفتاح العلوم میں گزارے ۔

اس عرصہ میں دو کتابیں تصنیف ہوئیں، ایک طلاق ثلث کے مسئلہ پر، حضرت محدث اعظمیؒ نے طلاقِ ثلث پر ایک کتاب لکھی [**اعلام مرفوعه**] اس میں یہ ثابت کیا کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں تین ہوتی ہیں، ایک نہیں ہوتی جیسا کہ غیر مقلدین کہتے ہیں، یہی جمہور اور ائمۂ اربعہ کا مذہب ہے، غیر مقلدین اجماع کے مخالف ہیں۔

غیر مقلدین نے اس کا جواب لکھا [**آثار متبوعه**] تو محدث اعظمی نے اس کا جواب

دیا اس کا نام رکھا [**ازهار مربوعه**] پھر اس کا جواب ایک غیر مقلد نے لکھا [**انهار مجموعه**] ، میں نے اس کا جواب دیا، لیکن اس کتاب کے چھپنے کی نوبت نہیں آئی، خیال تھا کہ اس کا نام رکھیں گے [**البحار المسجوره**] .

دوسری تصنیف ہوئی [سیرت امام ابو یوسفؒ] ، زیادہ تر مضامین علامہ کوثری کی اسی کتاب [**حسن التقاضی**] سے لئے گئے تھے، دوسری کتابوں سے بھی استفادہ کیا گیا تھا جیسے مناقب امام موفق مکی، مناقب کردری وغیرہ، اسکے کچھ حصہ پر حضرت اعظمیؒ نے نظر ثانی بھی فرمائی اور تصحیح بھی، پھر فرمایا کہ دوبارہ دیکھو گے تو خود سمجھ میں آئیگا کہ کس طرح تعبیر اچھی ہوگی .

اب جبکہ میں نے دو سال قبل [**بلوغ الأمانی فی سیرة الامام محمد بن حسن الشیبانیؒ**] کا ترجمہ کیا تو مناسب سمجھا کہ حسن التقاضی کا بھی از سرِ نو ترجمہ کروں، چنانچہ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے کام ہو گیا، اب کتابت اور طباعت کیلئے دونوں کتابیں دی جا رہی ہیں .

علامہ کوثریؒ نے بھی پہلے بلوغ الامانی لکھی اسکے بعد حسن التقاضی، میں نے بھی ترجمہ پہلے بلوغ الامانی کا کیا، پھر حسن التقاضی کا.

اللہ تعالیٰ اس خدمت کو قبول فرمائے، اور ان خدامِ دین کے ساتھ ہمارا بھی حشر فرمائے اور ان کے ساتھ جنت میں جمع فرمائے، ربّنا تقبّل منّا اِنّک اَنتَ السَّمِیعُ العَلِیمُ و تُبْ عَلَینا اِنَّک اَنتَ التَّوّابُ الرَّحِیمُ ، وصلّی اللّٰهُ علیٰ النَّبیِّ الاُمِّیِّ و آلِه و صَحْبِه أجمَعِین والحَمدُ لِلّٰهِ ربِّ العَالَمِین .

فضل الرحمٰن اعظمی آزادول جنوبی افریقہ

۱۰/ذوالحجہ ۱۴۳۰ھ ۲۷/نومبر ۲۰۰۹ء

مختصر تذکرہ علامہ محمد زاہد کوثری رحمہ اللہ تعالیٰ ۱؎

نام ونسب: محمد زاہد بن حسن حلیمی بن علی رضا بن نجم الدین خضوع بن بای بن قُنَیِّت ابن قانص، چرکسی خاندان کی اس شاخ سے ہیں جنکے دادا ''کوثر'' کے نام سے مشہور ہیں، اسلئے کوثری کہلاتے ہیں .

ولادت: کوثری کی پیدائش ۲۷ یا ۲۸ رشوال ۱۲۹۶ھ کو فجر کی اذان کے وقت (حاجی حسن آفندی) گاؤں میں ہوئی، کوثری کے والد نے یہ گاؤں بسایا تھا اسلئے اس کا نام انکے نام کے ساتھ رکھا گیا، یہ گاؤں ''دُوزجہ'' سے تین میل کے فاصلہ پر اور اصطنبول (آستانہ) سے مشرق میں تین مرحلہ پر واقع ہے، یہ خاندان اصلاً ''قوقاس:: کا تھا، کوثری کے دادا علی رضا اس جگہ منتقل ہوئے .

تحصیل علوم: ابتدائی علوم دُوزجہ کے مشایخ سے حاصل کئے، ۱۳۱۱ھ میں آستانہ (اصطنبول) آگئے، مدرسہ دار الحدیث میں داخل ہوئے، شیخ ابراہیم حقی سے بھی ''جامع الفاتح'' میں علم حاصل کیا، ان کا ۱۳۱۸ھ میں انتقال ہوگیا تو شیخ علی زین العابدین الصوفی سے تکمیل کرکے ۱۳۲۲ھ میں فارغ ہوئے، اس زمانہ میں عالمیت کا امتحان پانچ سال میں ایک دفعہ ہوتا تھا، ۱۳۲۵ھ میں عالمیت کے امتحان کے بعد سند ملی تو ''جامع الفاتح'' میں تدریس شروع کی، ۱۳۳۲ھ میں جنگِ عظیم شروع ہوئی اور سلطنت عثمانیہ پر اتحادیوں کا قبضہ ہوا اور اصلاح کے نام سے مدارس کے علوم دینیہ کو ختم کرنا چاہتے تھے، تو ان سے کوثری کو

۱؎ احمد خیری شاگرد کوثری کے مقدمۂ مقالاتِ کوثری ص۳ تا ص۹ سے یہ مضمون لیا گیا۔ مترجم

خطرہ ہوا اور بعض لوگوں کے مشورہ سے آستانہ چھوڑ کر قسطمونی چلے گئے، وہاں معہدِ فرعی میں کام کرتے تھے .

تین سال کے بعد جب جنگ میں صلح ہوگئی تو اصطنبول آگئے، راستہ میں کشتی کے سفر میں کشتی ساحل کے قریب آکر الٹ گئی اور لوگ ڈوبنے لگے لیکن کشتی کو پکڑے ہوئے تھے پھر پانی سے نکالے گئے، لگتا تھا کہ انتقال ہوگیا لیکن اللہ تعالیٰ نے سب کو بچا لیا، انہی میں کوثری بھی تھے .

آستانہ آکر ''دار الشفقة الاسلامیه'' میں مدرس ہوئے، یہ رات کا مدرسہ تھا ایک خاص جمعیت کے تحت چل رہا تھا، قسطمونی جانے سے قبل ایک امتحان میں کوثری نمبر ایک سے پاس ہوئے تھے، اس کی وجہ سے ایک ماہ کے بعد تخصص کے استاذ بنائے گئے باوجود یکہ اپنے دوستوں میں عمر میں کم تھے، پھر بعد میں مجلس وکالتِ درس کے رکن مقرر ہوئے، پھر ترقی کرکے اس کے رئیس اور وکیل ہوگئے،، یہ عہدہ مصر میں شیخ الازہر کے درجہ کے برابر تھا، پھر ایسے واقعات پیش آئے کہ اہلِ اقتدار کے ساتھ اختلاف ہوا، حق پر قائم رہنے کی وجہ سے انکو وکالت سے ہٹایا گیا اور رکنیت کے درجہ پر رکھا گیا، وکالت کے زمانہ میں ماہانہ پچھتر (۷۵) سونے کی گنی عثمانی پاتے تھے جو اس زمانہ میں بہت بڑی رقم تھی، حق کی حمایت کی وجہ سے اس کو چھوڑنا پڑا، میں تھوڑی دیر ٹھہر کر سوچتا ہوں اِس وقت ایسے علماء کتنے ہوں گے؟ خیال ہوتا ہے کہ بہت کم ہوں گے ۱؎

پھر ایسا بھی وقت آیا کہ ملک چھوڑ کر اپنا دین لے کر بھاگنا پڑا، کوثری کا دین پر جمنا اتحادیین کو گوارہ نہ تھا، پھر مصطفیٰ کمال پاشا کے لوگ جن کو کمالیون کہتے ہیں حاکم بنے جو

۱؎ صاحبِ اقتدار کے سامنے حق بولنے والے علماء ہر زمانہ میں بہت کم ہوتے ہیں، آج بھی ہیں مگر بہت تھوڑے، اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنَا مِنْھُم، اکثر تملق اور مداہنت میں پڑجاتے ہیں، حق نہیں بولتے.

اتحادیوں سے زیادہ دین اور علماء دین کے دشمن تھے، اور کسی نے علامہ کوثری کو بتایا کہ آپ کو قید کرنے کی بات چل رہی ہے تو بازار ہی سے بندرگاہ پہونچے گھر بھی نہیں گئے اور کشتی کے ذریعہ استنبول سے اسکندریہ پہونچ گئے، یہ ۱۳/ربیع الآخر ۱۳۴۱ھ مطابق ۳/دسمبر ۱۹۲۲ء کا قصہ ہے.

یہاں سے علامہ کی زندگی کا دوسرا دور شروع ہوتا ہے، اس میں بھی اِدھر سے اُدھر، اُدھر سے اِدھر انتقال ہوتا رہا، اسکندریہ سے قاہرہ، قاہرہ سے اسکندریہ، پھر سمندری راستہ سے اسکندریہ سے بیروت اور وہاں سے ٹرین سے دمشق پہونچے، وہاں ایک سال سے زیادہ رہے، پھر ٹرین سے فلسطین ہوتے ہوئے مصر آئے.

دوبارہ پھر ۱۳۴۷ھ میں ٹرین سے فلسطین ہوتے ہوئے شام دمشق پہونچے، تقریباً ایک سال رہ کر پھر مصر آئے، اور المحفوظات المصریۃ میں ملازم ہوئے، ترکی وثائق کا عربی میں ترجمہ کر رہے تھے، استنبول سے آنے کے بعد پہلی دفعہ اہل وعیال یہاں پہونچے اور ان سے ملاقات ہوئی، یہ ۱۳۴۸ھ کا واقعہ ہے. (۱۳۴۱ھ سے ۱۳۴۸ھ تک سات سال جدائی رہی)

پہلی جنگِ عظیم سے پہلے جب تدریس کا کام شروع کیا تھا اس وقت شادی ہوئی تھی، بیوی بہت نیک صبر کرنے والی تھیں، ان سے ایک لڑکا اور تین لڑکیاں پیدا ہوئیں، بیٹا اور ایک بیٹی تو آستانہ ہی میں انتقال کر گئے، دو بیٹیاں مصر میں گزریں، ایک ۱۳۵۳ھ میں، دوسری شادی کے بعد مطلقہ ہوئیں اور ۱۳۶۷ھ میں گزریں.

آخر حیات میں مختلف بیماریاں شوگر وغیرہ کی شکایت تھی، لیکن تصنیف وتالیف کا سلسلہ جاری تھا، اور شاگردوں کی ملاقات، تعلیم وافادہ، سوالات کے جوابات سب جاری تھے، زندگی کے آخری سال میں نگاہ میں کمزوری ہوگئی ایک آنکھ کا آپریشن ہوا، احتباسِ بول کی شکایت ہوئی، اسپتال میں داخل کئے گئے، اچھے ہوئے، آخر تک ہوش وحواس درست رہے، کبھی نابینا نہیں ہوئے، بعض لوگ جھوٹ بولتے ہیں، بالکل آخر میں بخار اور فلو کی شکایت

ہوئی، اور اتوار کو ۱۱/ذوالقعدہ ۱۳۷۱ھ کو ۴ بجکر ۳۵ منٹ پر دنیا سے رخصت ہوگئے، انتقال کے وقت بیوی پاس میں تھیں، جامع ازہر میں نماز جنازہ پڑھی گئی، قرافہ امام شافعی میں رضوان روڈ پر دفن کئے گئے، وفات کے وقت ۷۵ سال کی عمر تھی. رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ.

کوثری نے یہ اشعار کہے تھے :

یا واقفا بِشَفیر اللَّحد مُعتبِرا — قد صار زائرُ اَمسِ الیومَ قد قُبرا
فالموت حتم فلا تغفل و کن حذِرا — من الفجاءة وادع للذی عبرَا
فالزاهد الکوثری ثاوٍ بمرقده — مُسترحماً ضارعاً للعفو مُنتظرَا

ترجمہ : اے قبر کے کنارے عبرت کیلئے کھڑے ہونے والے، کل کا زائرِ قبر آج قبر میں پہونچ گیا، موت ایک یقینی چیز ہے، اس سے غافل نہ ہو، ہوشیار رہو، اچانک آجاتی ہے، اور جو چلا گیا اس کیلئے دعا کرو، زاہد کوثری اپنی قبر میں پہونچ گیا، رحم اور عفو کے انتظار میں دعا کر رہا ہے [1]

علامہ کوثریؒ کا علمی مقام

مقالاتِ کوثری کے شروع میں احمد خیری تلمیذ کوثری کے علاوہ علامہ محمد یوسف بنوریؒ اور شیخ ابوزہرہ مصری کی تحریرات بھی ہیں، ان سب حضرات نے کوثری کی بہت تعریف لکھی ہے، باوجودیکہ یہ لوگ خود بڑے محقق اور علامہ ہیں.

علامہ بنوریؒ لکھتے ہیں کہ میں نے طبقات ابن سعد میں مسروق تابعی کا قول پڑھا تھا، وہ فرماتے ہیں کہ صحابۂ کرامؓ حوض کی طرح تھے، کوئی ایک کو سیراب کرتا ہے، کوئی دو کو، کوئی دس کو، اور بعض ایسے حوض تھے کہ اگر سارے زمین والے جمع ہو جائیں تو سب کو سیراب کر دیں،

---

[1] یہاں تک احمد خیری کے بیان سے لیا گیا، جو ولادت سے وفات تک کا اجمالی بیان ہے. مترجم

عبداللہ بن مسعود ایسے ہی تھے، میرے خیال میں اس زمانہ میں کوثری پر یہ بات صادق ہوتی ہے، علم کی وسعت، معلومات کا ذخیرہ، دقتِ نظر، زبردست استحضار، خلافِ عادت حافظہ، روایت و درایت دونوں طرح کے مختلف علوم کے حامل، ساتھ ہی مکارمِ اخلاق، تواضع، قناعت، ورع وتقوی سے آراستہ، دنیا کے کتب خانوں کے مخطوطات سے باخبر، دین کے بارے میں باغیرت، حق کو پیش کرنے میں جری تھے، ظاہری شکل وصورت سے بھی قوی اور مضبوط تھے ... اھ

شیخ محمد ابوزہرہ مصریؒ فرماتے ہیں کہ علامہ کوثریؒ حقیقی معنی میں مجدد تھے، سنت کو زندہ کرنے میں کوشاں تھے، علماء نے ان کے علم کو جانا لیکن ان کے اجتہاد کو کم لوگوں نے پہچانا، العلماء ورثۃ الانبیاء کے صحیح مصداق تھے، میں ان سے ملا لیکن ان کے مقام کو جانتا نہیں تھا، کوشش کی گئی کہ ان کو جامعہ قاہرہ میں اونچے درجہ کا مدرس بنایا جائے، میں خود ان کے پاس قسم الشریعہ کے رئیس کے ساتھ گیا لیکن انھوں نے معذرت کی اور فرمایا کہ میں اپنے ضعف اور بڑھاپے کی وجہ سے کما حقہ درس نہیں دے سکتا، اسلئے مجھے معذور سمجھا جائے، عقیدہ کے مسئلہ میں علامہ ابن تیمیہ کے بہت خلاف تھے، بہت تردید لکھی، حنفیت کے بہت حامی تھے، اسلئے مخالفین ان کو متعصب کہتے تھے، لیکن ان کا تعصب دین حق اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کیلئے تھا، خطیب نے امام ابوحنیفہؒ کی مذمت میں جھوٹی روایتیں جمع کیں اور سند کی کمزوریوں سے خاموشی اختیار کی تو اس کی تردید کوثری نے [**تانیب الخطیب**] کے نام سے لکھی، اس کا جواب لکھا گیا تو اس کا جواب [**الترحیب بنقد التانیب**] کے نام سے لکھا، ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں امام ابوحنیفہؒ پر اعتراضات کئے تو اس کا جواب [**النکت الطریفہ فی التحدث عن ردود ابن ابی شیبہ علی ابی حنیفہ**] لکھا، اور بھی بہت سی تحریرات فقہ حنفی کی تائید میں لکھیں، امام ابوحنیفہؒ کے تلامذہ کے تذکرے بھی، اصولِ حدیث اور رجال حدیث پر گہری اور وسیع نظر تھی، الغرض بڑی جامعیت کے مالک تھے، اور ان کی تحریر

میں اخلاص جھلکتا ہے، اور دینی غیرت وحمیت نمایاں نظر آتی ہے، بڑے مستغنی تھے، اخیر میں تنگی کے زمانہ میں کتابیں فروخت کردیں لیکن ہدایا قبول نہیں کئے. (تفصیل کیلئے دیکھئے مقالات کوثری پر تقریظات).

اللہ تعالی ان کی دینی خدمات پر بہترین بدلہ عطا فرمائے اور جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے. آمین اور خطایا اور لغزشوں سے درگزر فرمائے. آمین

و صَلّی اللّٰہ تَعالٰی علٰی خَیرِ خَلقِہ محمّدٍ و آلِہ و صحبِہ أجمعین

و الحمد للّٰہ ربِّ العالَمین اَوّلاً و آخرًا

فضل الرحمٰن اعظمی غفرلہ ولوالدیہ آزادول جنوبی افریقہ

۱۱/ ذوالحجہ ۱۴۳۰ھ ۲۸/نومبر ۲۰۰۹ء

مصنف (کوثری رحمہ اللہ) کا دیباچہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحَمد لِلّٰہ الّذی أعلٰی منازلَ الفُقھاء و شرّف قدرَھم تشریفًا یُوازِن خدماتِھم لِلشَّریعةِ الغرّاء ، و الصَّلٰوة و السَّلامُ علی سیِّدِ الأنبیَاءِ و سنَدِ الأصفِیاءِ سیدِنا محمَّدٍ و آلِه وصَحبِه البَرَرَةِ الأتقِیاءِ و القادَةِ النُجَباء .

اس کے بعد (معلوم ہو) کہ یہ ایک رسالہ ہے جس کا نام میں نے [**حسن التقاضی فی سیرة الامام أبی یوسف القاضی**] رکھا ہے، اس میں میں نے اس عظیم امام، امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم انصاری رضی اللہ عنہ کے ایسے احوال ذکر کئے ہیں جن سے ناواقف رہنا اچھا نہیں ، اسلئے کہ ائمہ مجتہدین کے درمیان آپ کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ آپ پہلے شخص ہیں جنہوں نے قضاء کے مسائل کو علما و عملاً جمع کیا ، آپ کا زمانہ علم کو مدوّن کرنے کا زمانہ تھا ، آپ ۱۶۶ھ سے ۱۸۲ھ تک مسلسل تین بادشاہوں : مہدی ، ہادی اور رشید کے زمانوں میں قاضی رہے یہاں تک کہ آپ کا انتقال ہوا .

آپ اس طویل مدت میں اپنے فیصلوں میں قابلِ تعریف سمجھے گئے اور آپ کے فیصلے پورے عالم اسلام میں عام تھے ، یہ شرف کسی اور کو حاصل نہیں ہوا .

آپ اس پوری مدت میں اپنی پختہ رائے اور سنجیدہ انداز اور اہم مسائل میں اپنے عادلانہ فیصلوں سے منصب قضاء کو قوت پہونچاتے رہے تا آنکہ آپ کے بعد کے قضاۃ بھی پورے عالم اسلام میں صدیوں تک آپ ہی کے طریقہ پر فیصلہ کرتے رہے اور آپ ہی کے طریقۂ تحقیق کو اپناتے رہے ، اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ یہ سب قضات آپ کے مقلد تھے

بلکہ یہ اسلئے ہوا کہ آپ کا نہج اور طریقہ دوسرے شہروں کے قاضیوں کے مقابلہ میں قابلِ ترجیح تھا ، اس میں متانت اور رجحان کی وجوہ نمایاں تھیں ، یہ بات ادب القضاء کی کتابوں اور قاضیوں کے واقعات کی کتابوں سے ظاہر ہوتی ہے .

یہی وہ خصوصیت ہے جس کی وجہ سے ہم کو اس عظیم امام کے احوال معلوم کرنا چاہئے اور ان کی زندگی کا گہرا مطالعہ کرنا چاہئے ، اسلئے کہ انکی زندگی عظیم کارناموں اور بڑی بڑی خدمات سے معمور ہے .

ضروری تنبیہ: جو شخص قضاء کا کام کرنا چاہتا ہو اس کیلئے ضروری ہے کہ وہ آنحضور ﷺ کے فیصلوں کو معلوم کرے ، اس پر خاص کتابیں لکھی گئی ہیں ، اور صحابہ اور تابعین نیز بعد کے قاضیوں کے فیصلے معلوم کرے ، ان میں سے بہت سے سنن سعید بن منصور ، مصنف عبد الرزاق ، مصنف ابن ابی شیبہ اور ادب القضاۃ کی کتابوں میں جمع ہیں جن کو اس فن کے ماہرین نے لکھا ہے ، ان سب کو سامنے رکھ کر اپنے فیصلوں میں ان کو نمونہ بنانا چاہئے ، اسی لئے علماء کرام نے پہلے اور بعد کے زمانوں میں ایسی کتابوں کے لکھنے کا اہتمام کیا ہے جن میں اسلامی قاضیوں اور ان کے حالات زندگی نیز انکے واقعات کو ذکر کریں .

جیسے قاضی محمد بن خلف کی [**أخبار القضاۃ**] انکی وفات ۳۰۶ھ میں ہوئی وکیع القاضی سے مشہور تھے ، ان کی یہ کتاب مکتبہ بنی جامع اور مکتبہ محمد مراد آستانہ (اصطنبول) میں محفوظ ہے ، پہلے نسخہ کو ابن کامل شجری کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے جو غلط ہے ، جامعہ مصریہ نے اس کا فوٹو لیا ہے ، اور اس کی طباعت مصر میں شروع ہوئی ہے لیکن بہت آہستہ چل رہی ہے .

اس سے پہلے ڈاکٹر جوزیف شخت جرمنی کے مستشرق نے اس کی تحقیق کا کام شروع کر دیا تھا اور ایک مدت تک اس میں مشغول رہے جیسا کہ چند سال قبل مجھ سے بیان کیا تھا ، لیکن چونکہ اس کی ایک ہی اصل ہے اور اس میں بھی سقم اور کمزوری ہے اسلئے اس کی تصحیح کا کام

کرنے والا اپنے کام پر مطمئن نہیں ہوسکتا ،اگر چہ اس لحاظ سے کہ یہ کتاب عام مسلمان قاضیوں کا حال بیان کرتی ہے،صرف کسی خاص علاقہ کے قاضیوں پر انحصار نہیں کرتی اس موضوع پر سب سے قیمتی میراث ہے .

قضات کے بارے میں چند مشہور کتابیں یہ ہیں: (۱)۔ **کتاب قضاۃ مصر للکندی**: یہ مطبوع ہے. (۲)۔ **رفع الاصر عن قضاۃ مصر لابن حجر العسقلانیؒ**: یہ خاص مصر کے قاضیوں کے بارے میں ہے. (۳)۔ امام سخاویؒ نے جو حافظ ابن حجر کے شاگرد ہیں اس کا ذیل لکھا ہے. (۴)۔ **النجوم الزاھرہ فی قضاۃ مصر والقاھرہ**: ابن حجر کے سبط (پوتے) کی، اخیر کی یہ تینوں غیر مطبوع ہیں . (۵)۔ **قضاۃ قرطبہ لمحمد بن الحارث الخشنی**: یہ مکتبہ اندلسیہ کے ضمن میں (مجریط) میں چھپی ہے.
(۶)۔ **قضاۃ الأندلس**: ابوالحسن علی بن عبداللہ النباہی کی، یہ آٹھویں صدی کے آدمی ہیں.
(۷)۔ **الثغر البسام فی ذکر مَن ولی قضاء الشام**: حافظ شمس الدین بن طولون کی جو دسویں صدی کے آدمی ہیں، ابھی تک طبع نہیں ہوئی ہے.

مجھے امید ہے کہ قاضیوں کی خبروں سے متعلق لکھی گئی یہ کتابیں جو ابھی تک طبع نہیں ہوئی ہیں اب انکی طباعت میں زیادہ تاخیر نہیں ہوگی، یہ سب کتابیں صرف اسی شریف مقصد کیلئے لکھی گئی ہیں.

امام ابو یوسفؒ ایک جلیل القدر امام ہیں، علم میں انکے بہت وسعت ہے، اجتہاد میں بہت گہرائی تک پہونچے ہوئے ہیں، ان کے حالات کی تحقیق و بحث میں میں نے سب سے اچھی روایات پر اعتماد کیا ہے، اس کیلئے میں نے اہم اور سب سے زیادہ قابلِ اعتماد مآخذ کی طرف رجوع کیا ہے، مطبوع اور مخطوط دونوں طرح کے مصادر سے فائدہ اٹھایا ہے، عام کتب خانوں اور خاص محفوظات میں چھان بین کر کے تمحیص و تحقیق کے بعد بحث کا خلاصہ خاص ابواب میں پیش کیا ہے، زندگی کے ہر گوشے کو ایک خاص باب میں رکھا ہے، جو لوگ حقائق کو

اخلاص کے ساتھ جاننا چاہتے ہیں ان کے لئے ان میں اطمینان کا سامان ہے، میرا مقصد سب کو خوش کرنا نہیں ہے، اسلئے کہ یہ ایسی غرض ہے جو کبھی حاصل نہیں ہوسکتی، جو لوگ جہل مرکب یا مکعب میں مبتلا ہیں ان کی پرواہ وہ اہلِ علم نہیں کرتے جو علم کی طرف علم کیلئے رخ کرتے ہیں.

میں بحث کے درمیان فقہاء کے طبقات اور اہل علم کی تقسیم کے متعلق بھی گفتگو کروں گا، اسلئے کہ مقلدین نے جو اپنے متقدمین کی ہر بات کو بغیر سوچے سمجھے نقل کرتے رہتے ہیں اپنی کتابوں میں اس سلسلہ میں بہت سی بے تحقیق باتیں نقل کردی ہیں، اسلئے اس کی ضرورت محسوس ہوئی کہ اسکی تحقیق پیش کی جائے اگر چہ اس میں بحث سے ایک طرح کا خروج ہوگا.
اللہ تعالی توفیق عطا فرمائے اور ہدایت نصیب فرمائے. آمین

امام ابو یوسفؒ کا نسب نامہ

آپ امام حافظ متقن مجتہد مطلق ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم بن حبیب بن سعد بن بَحیر (حاء مہملہ کے ساتھ) بن معاویہ بن قحافہ بن نُفیل بن سدوس بن عبد مناف بن اسامہ بن سحمہ ابن سعد بن عبداللہ بن قدار بن معاویہ بن ثعلبہ بن معاویہ بن زید بن معوذ بن بَجیلہ انصاری بجلی رضی اللہ عنہ ہیں.

حبیب کے والد سعد صحابی ہیں، رافع بن خدیج اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ احد کے موقعہ پر نبی ﷺ کی خدمت میں پیش کئے گئے تھے آپ نے ان کو چھوٹا قرار دے کر (واپس کردیا) اسلئے خندق اور بعد کے غزوات میں شریک ہوئے، بعد میں کوفہ چلے گئے، وہیں انتقال ہوا، حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھائی، ان کی اولاد کوفہ ہی میں رہی.

حافظ ابن عبد البرؒ نے الاستیعاب میں ذکر کیا ہے کہ آنحضور ﷺ نے غزوۂ خندق میں سعد بن حَبْتہَ کو دیکھا کہ کم سنی کے باوجود بہت جم کر قتال کررہے ہیں تو بلایا اور پوچھا: اے نوجوان! تم کون ہو؟ فرمایا: سعد بن حَبتہَ، آپ نے فرمایا اللہ تعالی تمہاری کوشش کامیاب کرے، قریب ہوجاؤ، سعد قریب ہوئے تو آپ نے اپنا دست مبارک انکے سر پر پھیرا ..اھ

امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں: اس ہاتھ پھیرنے کی برکت خاندان میں محسوس کرتا ہوں، حضرت سعد کو ابن حَبتہ اسلئے کہتے ہیں کہ وہ صحابی جلیل حضرت خوات بن جبیر رضی اللہ عنہ کی بیٹی حَبتہَ کے بیٹے ہیں، اس کو ابن ابی العوام نے ذکر کیا ہے جو امام نسائی اور طحاوی کے شاگرد ہیں، امام ذہبی نے بھی اسکو اپنے اس جزء میں ذکر کیا ہے جس کو امام ابو یوسفؒ کے مناقب میں لکھا ہے، لیکن اس میں طباعت کی غلطی سے جُبیر کے بجائے بجیر چھپ گیا ہے.

ابن عبد البر اور خطیب نے حَبتہ کو مالک کی بیٹی قبیلہ بنوعوف میں سے بتایا ہے، یہ ابن الکلبی کی روایت پر اعتماد کر کے لکھا گیا، ابن کلبی قابلِ اعتماد نہیں ہیں.

اسی روایت پر وہ روایت مبنی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ سعد کے والد بَحیر نے خوات بن جُبیر سے معاہدہ اور محالفہ کیا تو انھوں نے سعد کے ساتھ اپنی قوم کی ایک بیٹی سے شادی کرادی. واللہ اعلم

امام ابو یوسفؒ کے نسب نامہ میں یحی بن معین کی روایت میں خُنیس کا ذکر نہیں ہے، یحی ابن معین اپنے شیخ امام ابو یوسفؒ کا نسب دوسروں سے زیادہ جانتے ہیں، ابن عبد البر نے امام طحاوی پر اعتماد کر کے خُنیس کا تذکرہ امام ابو یوسفؒ کے نسب میں کردیا ہے جو مرجوح ہے، اسلئے کہ خُنیس حبیب کے بھائی ہیں نہ کہ باپ، اسلئے وہ ان کے چچاؤں میں سے ہوں گے نہ داداؤں میں سے، طحاوی نے ابن ابی خیثمہ کی سلیمان بن شیخ کی روایت پر اعتماد کیا ہے، ہم ابن معین کی روایت کو ترجیح دیتے ہیں اسلئے کہ وہ امام ابو یوسفؒ کے شاگرد ہیں، کما مر

انہی خُنیس کی طرف کوفہ کا مشہور صحن منسوب ہے جس کو (جہار سوج خُنیس) کہتے ہیں جس کا مطلب ہوتا ہے چار راستے اور جہات والا صحن.

یحی بن معین، یعقوب بن شیبہ، وکیع قاضی، اور ابوالقاسم بن ابی العوام ان سب نے امام ابو یوسف کے نسب میں خُنیس کا تذکرہ نہیں کیا، ہم کو اسی پر زیادہ اطمینان ہے کیونکہ ان لوگوں کو امام ابو یوسفؒ کے نسب سے واقفیت تعلق کی وجہ سے زیادہ تھی.

امام ذہبیؒ اپنے جزء میں لکھتے ہیں کہ حَبتہ خوات انصاری کی بیٹی ہیں اور سعد کا نسب بجیلہ قبیلہ میں ہے.

نسب کے جاننے کیلئے اتنا بیان کافی ہے.

امام ابو یوسفؒ کی ولادت

امام طحاویؒ سے لوگوں نے امام ابو یوسفؒ کا سنۂ ولادت ۱۱۳ھ نقل کیا ہے، اسی کو اکثر لوگوں نے لیا ہے [1] لیکن مورخ فقیہ ابوالقاسم علی بن محمد سمنانی متوفی ۴۹۹ھ نے ''روضة القضات'' میں جو قضاء کے بارے میں ایک مفید کتاب ہے، یہ لکھا ہے کہ امام ابو یوسفؒ کا انتقال ۹۸ سال کی عمر میں ہوا ہے، اس میں اختلاف بھی ہے، یہی بات ابن فضل اللہ عمری کی [کتاب مسالک الأبصار] میں بھی ہے، اور اسی کی طرف تقریباً [اخبار الاول] اور [روضات الجنات] کے مصنفین کا بھی میلان ہے، تحقیقی قول کے مطابق امام کی وفات ۱۸۲ھ میں ہوئی، تو پیدائش ۹۳ھ میں ہوگی، کہاں ۱۱۳ھ، کہاں ۹۳ھ، دونوں تاریخوں میں بڑا فرق ہے، ہوسکتا ہے کہ اکثر کتابوں میں جو ۱۱۳ھ لکھا ہے وہ گمان کے طریقہ پر اصلاح کر کے لکھا ہو، بعض پرانی کتابوں میں ۹۳ لکھا ہوا تھا، ۹ کا سرا ظاہر نہیں تھا تو اس کو (۱) ایک پڑھ لیا گیا، اس طرح ۱۳ ہوگیا، اور ظاہر ہے کہ امام ابو یوسفؒ کی پیدائش اتنی قدیم نہیں ہوسکتی اسلئے یہ سمجھا گیا کہ سو (۱۰۰) کا عدد اختصاراً حذف ہوگیا ہے جیسا کہ اطمینان کے وقت حذف کر بھی دیا جاتا ہے تو اس طرح ۱۱۳ ہوگیا، اسی کو مورخین نقل کرتے گئے اور اس کی شہرت ہوگئی کہ امام ابو یوسفؒ ۱۱۳ھ میں پیدا ہوئے، اور اسی کو حقیقی سنۂ ولادت سمجھ لیا گیا ہے.

یہ احتمال جو ہم نے ذکر کیا ہے، اسکے معقول اور صحیح ہونے کی ایک دلیل یہ ہے کہ حافظ ابوعبداللہ محمد بن مخلد عطار متوفی ۳۳۱ھ نے اپنے مشہور جزء میں جس کا نام ہے [ما رواه

---

[1] مناقب امام اعظم موفق مکی، تذکرۃ الحفاظ للذہبی، جزء الذہبی فی مناقب الامام وصاحبیه وغیرہ میں یہی مذکور ہے. فضل

الأكابر عن مالك] یہ لکھا ہے کہ مجھ سے محمد بن ھارون نے بیان کیا، ان سے ابوموسی انصاری نے، ان سے امام ابو یوسفؒ نے کہ اگر لوگوں کے ساتھ زمانہ طویل ہوا تو لوگ مدینہ کے ایک نوجوان کی طرف رجوع کریں گے، یعنی امام مالک کی طرف، یہ جزء دمشق کے کتب خانۂ ظاہریہ میں مجموعہ نمبر ۹۸ کے ضمن میں موجود ہے، اس پر بہت سے حفاظ کی سماعت بھی ہے.

امام ابو یوسفؒ اگر امام مالکؒ سے بڑے نہ ہوتے یا کم از کم ہم عمر نہ ہوتے تو ایسی بات کہنا صحیح نہ ہوتا.

اسی طرح ہم امام ابو یوسفؒ کو دیکھتے ہیں کہ وہ امام مالکؒ کے ساتھ بسا اوقات ہم عمروں جیسا معاملہ کرتے ہیں [1] اگر بڑے یا ہم عمر نہ ہوتے تو یہ معاملہ صحیح نہ ہوتا، اس سے دونوں تاریخوں میں اتنی دوری کی جو وجہ ہم نے بیان کی ہے اسکی کچھ معقولیت سمجھ میں آتی ہے.

اس کے ساتھ یہ بات بھی ہے کہ اسلاف کی تاریخہائے پیدائش میں بہت اختلاف اور بڑا اضطراب ہے کیونکہ ولادت ووفات کی تاریخوں کو بیان کرنے والی کتابیں بعد میں لکھی گئی ہیں، واقدی متوفی ۲۰۷ھ سے پہلے کوئی نظر نہیں آتا جس نے اس کا اہتمام کیا ہو، واقدی نے امام ابو یوسفؒ کے زمانہ کے لوگوں کو پایا ہے، اسلئے ان لوگوں کی وفات کے بارے میں ان سے غلطی کم ہوگی، ہاں ولادت کا زمانہ نہیں پایا ہے اسلئے اس میں یہ نہیں کہہ سکتے، اس بحث میں مجھے جو سمجھ میں آیا وہ یہ ہے، ناظرین کرام کے دل جس پر مطمئن ہوں اس کو لیں.

---

[1] امام مالکؒ کی پیدائش ۹۰ھ یا ۹۵ھ میں ہوئی.

امام ابو یوسفؒ کا امام ابوحنیفہؒ کی مجلس میں حاضر ہونا

موسی بن حزام نے خلف بن ایوب سے، انھوں نے امام ابو یوسفؒ سے نقل کیا، فرماتے ہیں: پہلے میں (قاضی) ابن ابی لیلی کے یہاں آتا جاتا تھا، اور میرا ان کے یہاں ایک مقام بھی تھا، ان کے یہاں جب کوئی مشکل مسئلہ پیش آتا تو اسکو امام ابوحنیفہؒ کی طرف سے حل کرتے، مجھ کو ان سے شرم آتی تھی، ایک دفعہ میرے اور ان کے درمیان ایک بات پیش آگئی جس سے ان کو گرانی ہوئی، اس موقعہ کو میں نے غنیمت جانا اور انکو چھوڑ کر امام ابو حنیفہؒ کے یہاں جانے لگا، اس کو حافظ ابوعبداللہ ابن مندہ نے حارثی سے ان کی سند سے امام ابو یوسفؒ سے نقل کیا ہے.

جو واقعہ گرانی اور پھر انکے چھوڑنے کا سبب بنا یہ ہے کہ قاضی ابن ابی لیلی کی بیٹی کی شادی ہوئی اس میں شکر (چینی) لائی گئی، لٹائی گئی، میں نے اس میں سے لوٹا، قاضی نے مجھے منع کیا اور فرمایا کہ لوٹنا مکروہ ہے، میں نے کہا لوٹنا مال غنیمت میں سے مکروہ ہے، شادی کے موقعہ پر لوٹنے میں کوئی حرج نہیں، اس پر وہ ناراض ہو گئے، میں اس کے بعد امام ابوحنیفہؒ کے پاس چلا گیا.

ابن ابی لیلیؒ کو لوٹنے سے منع کرنے کا موقعہ جو حدیث میں آیا ہے اس وقت یاد نہیں رہا، انسان سے بھول ہو ہی جاتی ہے، حدیث میں یوں آیا ہے کہ ایک دفعہ شادی میں کوئی چیز لٹائی گئی، لوگوں نے نہیں لیا تو آنحضرت ﷺ نے پوچھا آپ لوگ کیوں نہیں لوٹتے؟ لوگوں نے کہا آپ نے لوٹنے سے منع فرمایا ہے، فرمایا: میں نے لشکر کے اندر لوٹنے سے منع کیا ہے، لہذا (یہاں) لوٹو ... اھ

خطیب نے علی بن حرملہ کے طریق سے امام ابو یوسفؒ سے نقل کیا ہے، فرماتے ہیں:

میں خستہ حال قلیل المال تھا، حدیث وفقہ حاصل کر رہا تھا، ایک دن میں امام ابوحنیفہؒ کے یہاں تھا، میرے والد آئے، میں ان کے ساتھ واپس گیا، والد صاحب نے فرمایا: بچے! تم ابوحنیفہ کے ساتھ پاؤں لمبے مت کرو (ان کے ساتھ مت رہو)، انکی روٹی تر ہے اور تم کو روٹی روزی کی ضرورت ہے، میں نے والد صاحب کی بات مان لی اور طلب علم میں بہت کمی کر دی، امام ابوحنیفہؒ نے مجھے نہیں دیکھا تو میرے بارے میں پوچھا، (اور مجھے بلایا)، غیر حاضری کے بعد جب پہلی دفعہ حاضر ہوا تو مجھ سے پوچھا کیوں نہیں آرہے تھے؟ میں نے کہا روزی کی تلاش اور والد صاحب کی فرماں برداری میں تھا، میں بیٹھا رہا جب سب لوگ چلے گئے تو ایک تھیلی دی، اور فرمایا اس سے فائدہ اٹھانا، میں نے دیکھا تو اس میں سو (۱۰۰) درہم تھے، فرمایا آتے رہنا اور جب یہ ختم ہو جائے تو بتا دینا، میں درس میں شریک ہوتا رہا، تھوڑی مدت گزرنے کے بعد پھر دوسرے سو (۱۰۰) دئے، اس کے بعد برابر میری خبر گیری کرتے رہے، میں نے کبھی اپنی حاجت اور دراہم کے ختم ہونے کی اطلاع نہیں دی، گویا کہ ان کو دراہم کے ختم ہو جانے کی اطلاع ہو جاتی تھی، (یہ سلسلہ جاری رہا) یہاں تک کہ میں مالدار اور بے نیاز ہو گیا . اھ

پھر خطیب نے فرمایا کہ یہ قصہ اس طرح بھی نقل کیا جاتا ہے کہ والد صاحب کا انتقال ہو گیا ابھی امام ابو یوسف بچے تھے، ماں نے ان کو دھوبی کے حوالہ کیا (کہ وہاں کام کریں)، پھر وہ بھاگ کر امام ابوحنیفہؒ کی مجلس میں آگئے، ماں نے آکر شکایت کی تو امام اعظمؒ نے فرمایا: پستہ کے تیل کے ساتھ فالودہ کھانا سیکھ رہا ہے، چنانچہ بعد میں امام ابو یوسفؒ نے ہارون رشید کے دسترخوان پر اس کو کھایا بھی .

لیکن اس قصہ کی کوئی اصل نہیں، اس کو صرف محمد بن حسن بن زیاد نقاش مقری نے ذکر کیا ہے، تفسیر میں اس کی کتاب شفاء الصدور ہے، یہ مشہور جھوٹا آدمی ہے، ابو عمرو دانی کو اس کے احوال کی خبر نہیں تھی اسلئے کہ وہ مشرق سے دور تھے اسلئے اس کی تعریف کر دی (اس کا اعتبار

نہیں) .

قابلِ اعتبار پہلی روایت ہے، اس کی سند میں کوئی اعتراض نہیں، البتہ خطیب نے روایت میں اختصار کردیا۔ مستغنی اور مالدار ہونے کے بعد روایت میں یہ بھی ہے کہ میں برابر امام اعظمؒ کی مجلس میں شریک ہوتا رہا یہاں تک کہ میں اپنی حاجت کو پہونچا اور امام صاحب کی اچھی نیت اور برکت سے اللہ تعالی نے علم اور مال دونوں میرے اوپر کھول دیئے، اللہ تعالی میری طرف سے ان کو بہترین بدلہ دیں اور ان کی مغفرت فرمائیں .... اھ

بہت سی روایتوں میں یہ بات آئی ہے کہ قصہ ان کے والد کے ساتھ پیش آیا نہ کہ ماں کے ساتھ، حارثی وغیرہ کے پاس امام ابو یوسفؒ سے حسن بن ابی مالک اور عبدالحمید حمانی کی روایتوں سے یہ بات ظاہر ہے، خوارزمی کی کتاب الموفق دیکھنی چاہئے، اس میں روایتوں کی سندیں مذکور ہیں .

امام ابو یوسفؒ امام اعظمؒ کی مجلس میں بڑی پابندی سے حاضری دیتے تھے، یہاں تک کہ محمد بن قدامہ نے شجاع بن مخلد کے واسطہ سے امام ابو یوسفؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ میرے ایک بیٹے کا انتقال ہوگیا تو میں اسکی تجہیز وتکفین اور جنازہ میں شریک نہیں ہوا، پڑوسیوں اور رشتہ داروں کے حوالہ کردیا تاکہ امام ابوحنیفہؒ سے کوئی ایسی چیز چھوٹ نہ جائے جسکی ہمیشہ حسرت رہے .

عباس بن حمزہ نے اسحاق بن ابی اسرائیل سے، انھوں نے حسان بن ابراہیم سے امام ابو حنیفہؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ابو یوسفؒ کی طرح کسی اور نے میری رفاقت نہیں اختیار کی، اگر داود طائی میرے ساتھ ہمیشہ رہتے تو لوگ ان سے فائدہ اٹھاتے کہ ان میں صلاحیت تھی. اھ

امام ابو یوسفؒ اپنے دونوں اساتذہ ابن ابی لیلی اور امام ابوحنیفہ رحمہما اللہ کی بڑی تعظیم کرتے اور ان کے ساتھ حسن سلوک کرتے تھے اسی لئے علم کی برکت پائی .

حضرت امام ابو یوسفؒ کا علمی ماحول

(کوفہ کی اہمیت اور اسلامی شہروں میں اس کا امتیاز) :

حضرت عمر رضی اللہ عنہ عراق فتح ہونے کے بعد کوفہ کا بہت اہتمام کرتے تھے، ۱۷ھ میں اس کو بنایا، وہاں فصیح قبائل کو آباد کیا، بڑے بڑے صحابہ کو وہاں ٹھہرایا، کوفہ والوں کے پاس حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو بھیجا جو ابن ام عبد سے مشہور تھے، تاکہ ان کو قرآن سکھائیں اور دینی سمجھدار بنائیں، بھیجتے ہوئے یہ بھی فرمایا: میں ابن مسعود کے بارے میں تم کو اپنے اوپر ترجیح دیتا ہوں (یعنی تم سے زیادہ مجھ کو ان کی ضرورت ہے لیکن تمہاری ضرورت کو میں مقدم کرتا ہوں)، اس سے ابن مسعود کے بلند مقام کا پتہ چلتا ہے کہ خلیفہ بھی دارالحکومت (مدینہ) میں ان سے بے نیاز نہیں تھے، نبی ﷺ نے فرمایا تھا : جو قرآن کو تر وتازہ جیسا نازل ہوا ہے پڑھنا چاہے وہ ابن ام عبد کی قراءت پڑھے، کبھی یہ فرمایا : میں اپنی امت کیلئے اس کام کو پسند کرتا ہوں جس کو ابن ام عبد (ابن مسعود) پسند کریں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کے بارے میں فرمایا: ایک برتن ہے علم سے بھرا ہوا .

اس طرح کی روایتیں سنت کی کتابوں میں بہت ہیں جن سے ابن مسعودؓ کے علم کی وسعت اور ان کے عظیم مناقب کا پتہ چلتا ہے .

اس طرح کے جلیل القدر صحابی نے کوفہ والوں کو بڑی محنت اور جانفشانی سے فقہ کی تعلیم دی اور ان کو فقیہ بنایا، یہ سلسلہ حضرت عمرؓ کے بھیجنے کے وقت سے لے کر حضرت عثمانؓ کی خلافت کے آخر تک جاری رہا، اس طویل مدت میں ایک بڑی تعداد قاری اور فقیہ بن کر نکلی، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کوفہ میں یہ تعداد دیکھ کر اظہار تعجب کیا اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے فرمایا: آپ نے تو اس بستی کو علم وفقہ سے بھر دیا. اھ

ابن مسعود کے شاگردوں اور شاگردوں کے شاگردوں کی تعداد چار ہزار سے زیادہ ہوگئی تھی جو بستی کے چراغ تھے .

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور بڑے صحابہ کے کوفہ منتقل ہونے کے بعد تو کوفہ والوں کو فقیہ بنانے کا اہتمام اور زیادہ ہوگیا، ہوتے ہوتے کوفہ میں اتنے محدثین اور فقہاء نیز علوم لغت اور قرآن کے ماہرین جمع ہوگئے کہ مسلمانوں کے شہروں میں کوئی مثال اس جیسی نہیں رہی، فصیح قبائل کے آکر اسکے اردگرد بسنے اور اور بڑے بڑے صحابہ کے اس میں تشریف لانے سے یہ ماحول پیدا ہوا .

اگر حضرت علی اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کے بڑے شاگردوں کو ایک کتاب میں جمع کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب ہوجائے، محدث عجلی نے کوفہ میں بسنے والے صحابہ کی تعداد ایک ہزار پانچ سو (۱۵۰۰) تک پہونچائی ہے، یہ صرف کوفہ کی بات ہے عراق کے دوسرے شہروں کو چھوڑ کر، تابعی کبیر مسروق بن اجدع نے فرمایا: صحابۂ کرام کا علم چھ صحابہ تک پہونچا: علی، ابن مسعود، عمر، زید بن ثابت، ابوالدرداء اور ابی بن کعب، پھر میں نے دیکھا کہ ان چھ کا علم علی اور ابن مسعود میں جمع ہوگیا. رضی اللہ عنہم.

ابن جریر کا ارشاد ہے: ابن مسعود کے سوا کسی صحابی کے ایسے مشہور شاگرد نہیں تھے جنہوں نے اپنے استاذ کے فتاوی اور مذہب فقہی کو جمع کیا ہو، ابن مسعودؓ حضرت عمرؓ کے قول کی وجہ سے اپنے قول اور مذہب کو چھوڑ دیتے تھے، کسی مسئلہ میں حضرت عمرؓ کی مخالفت نہیں کرتے تھے، اپنے قول سے ان کے قول کی طرف رجوع کر لیتے .

فقہاء صحابہ میں بعض ایسے بھی تھے جو اپنے شاگردوں کو ابن مسعودؓ سے ملنے کی تاکید کرتے تھے، یہ ان کی طرف سے ان کے وسیع علم کا اعتراف تھا، جیسے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے اپنے شاگرد عمرو بن میمون اودی کو کوفہ میں ابن مسعود سے ملنے کی وصیت کی تھی .

رامہرمزی نے انس بن سیرین رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ میں کوفہ پہونچا تو دیکھا کہ چار

ہزار افراد حدیث حاصل کر رہے ہیں اور چار سو تو فقیہ بن چکے ہیں. اھ کوفہ کے علاوہ کس شہر میں محدثین اور فقہاء کی یہ تعداد ملے گی؟ اس سے معلوم ہوا کہ فقیہ کا کام زیادہ مشکل ہے، ناقلین کی طرح فقہاء کی کثرت نہیں ہوتی .

عفّان سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں: ... ہم کوفہ پہونچے تو چار ماہ قیام کیا اگر ہم چاہتے تو لاکھ حدیثیں لکھ لیتے، ہم نے پچاس ہزار حدیثیں لکھیں اور ہم کسی سے کوئی حدیث نہیں لیتے مگر وہی جو امت کیلئے ہے (یعنی امت نے اسکو قبول کیا ہے. ۱۲ مولانا بنوریؒ) سوائے ثابت کے، انھوں نے انکار کیا، اور کوفہ میں ہم نے غلطی کرنے والا لاپرواہ کسی کو نہیں پایا .. اھ

امام بخاریؒ مختلف شہروں میں اپنی آمد و رفت کو تعداد کے ساتھ بیان کرتے ہیں، لیکن فرماتے ہیں کہ کوفہ کتنی بار گیا میں شمار نہیں کر سکتا اور اس میں ائمۂ قراءت و لغت کی کثرت بھی بیان فرماتے ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حدیث، فقہ، قراءت اور عربیت میں کوفہ کا کیا مقام تھا، اور کوفہ والوں کے علوم کس طرح جماعت در جماعت منقول چلے آرہے تھے اور اس کا سلسلہ سب سے قدیم سرچشمہ سے جاملتا ہے .

اس ماحول میں ایک علمی مجلس تھی جو چالیس علماء سے بنی تھی اسکے سردار امام ابوحنیفہؒ تھے، اس میں مسائل پر گفتگو ہوتی، دلائل پر بحث و تمحیص کے بعد مسائل طے ہوتے اور ان کو جمع کرلیا جاتا، یہ کوفہ کی ایک امتیازی خصوصیت تھی .

ابن ابی عوام فرماتے ہیں مجھ سے طحاوی نے بیان کیا، ان کو ابن ابی ثور نے لکھا، ان کو نوح ابوسفیان نے خبر دی، ان سے مغیرہ بن حمزہ نے کہا: ابوحنیفہؒ کے ساتھی جنہوں نے کتابیں جمع کیں چالیس آدمی تھے، بڑوں میں بڑے ...اھ

یہ بھی بیان کیا کہ مجھ سے طحاوی نے بیان کیا، انکو محمد بن عبداللہ بن ابی ثور رُعینی نے لکھا، ان سے سلیمان بن عمران نے بیان کیا، ان سے اسد بن فرات نے کہ ابوحنیفہؒ کے ساتھی جنہوں نے کتابیں جمع کیں چالیس آدمی تھے، ان میں سے دس میں جو سب سے مقدم تھے یہ

تھے: ا۔ ابو یوسفؒ ۲۔زفر بن ہذیل ۳۔داود طائی ۴۔اسد بن فرات ۵۔یوسف ابن خالد سمتی (استاذ امام شافعیؒ) ۶۔یحی بن زکریا بن ابی زائدہ، یہی تیس (۳۰) سال تک مسائل کو لکھتے تھے۔

اسی سند سے اسد بن فرات نے بیان کیا کہ مجھ سے اسد بن عمرو نے بیان کیا کہ مسئلہ کے جواب میں لوگ مختلف ہوتے ایک یہ جواب لاتا تو دوسرا کوئی اور، پھر اس کو امام ابوحنیفہؒ کے سامنے پیش کرتے اور ان سے ان کے متعلق پوچھتے تو امام قریب کا (مناسب) جواب دیتے، اس مسئلہ میں تین دن مشغول رہتے پھر کتاب میں لکھتے۔ اھ

صیمری نے اپنی سند سے اسحاق بن ابراہیم سے نقل کیا، وہ فرماتے ہیں: امام صاحب کے شاگردان کے ساتھ مسائل میں غور کرتے، عافیہ بن یزید نہ ہوتے تو امام اعظمؒ فرماتے: عافیہ نہیں ہیں مسئلہ کو اٹھا رکھو، جب عافیہ آتے اور لوگوں کے ساتھ موافقت کرتے تو امام صاحبؒ فرماتے کہ لکھ لو، ورنہ فرماتے کہ مت لکھو ..اھ

یحی بن معین نے اپنی کتاب ''معرفة التاريخ و العلل''میں فضل بن دُکین سے نقل کیا، وہ امام زفرؒ کا قول نقل کرتے ہیں کہ ہم لوگ امام ابوحنیفہؒ کے پاس جاتے، ہمارے ساتھ ابو یوسفؒ اور محمدؒ بھی ہوتے، ہم امام صاحبؒ سے سن کر لکھتے تھے، ایک دن امام صاحبؒ نے امام ابو یوسفؒ سے فرمایا: یعقوب! اللہ تم پر رحم فرمائے، مجھ سے سن کر ہر بات مت لکھو، آج میری ایک رائے ہوتی ہے کل میں اسکو چھوڑ دیتا ہوں، کل کوئی رائے ہوتی ہے پرسوں اسکو چھوڑ دیتا ہوں ..اھ

دیکھئے امام صاحب مسائل کی پوری طرح تحقیق سے پہلے لکھنے سے منع کر رہے ہیں کہ جلدی مت کرو ، یہ بات معلوم گئی تو موفق مکی کی بات سنئے کتنی معقول ہے، فرماتے ہیں: امام ابوحنیفہؒ نے اپنا مذہب مشورہ سے طے کیا ہے، تنہا نہیں بنالیا ہے، یہ ان کی طرف سے انتہائی کوشش ہے اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ انتہائی خیر خواہی ہے، ایک ایک مسئلہ لیکر

شاگردوں کے سامنے پیش کرتے، ان کی رائے معلوم کرتے، اپنی رائے بھی پیش فرماتے، ان سے ایک مہینہ یا اس سے بھی زیادہ مناظرہ اور بحث کرتے، یہاں تک کہ ایک قول پر جم جاتے، پھر امام ابو یوسفؒ اصول میں جمع فرماتے، اس طرح پورے اصول کو جمع کیا، یہ صورت زیادہ اچھی اور درست ہے، حق سے زیادہ قریب ہے، اس پر دلوں کو زیادہ اطمینان اور سکون ہے بنسبت ایک شخص کے ذاتی مذہب کے جس کو وہ تنہا مقرر کرے اور اپنی رائے پر اعتماد کرے ..اھ

شاگردوں کو فقیہ بنانے کا طریقہ: امام ابوحنیفہؒ اپنے شاگردوں کو اس طرح فقیہ بناتے کہ مسائل پر بحث کے وقت مسئلہ میں ایک احتمال کو لیتے اور اس کے اطراف و جوانب سے اس کی تائید پیش کرتے، پھر شاگردوں سے پوچھتے: تمہارے پاس اس کے معارض کچھ ہے، جب شاگرد استاذ کی رائے سے متفق ہوجاتے تو امام صاحب اپنی پہلی بات کے خلاف بولنا شروع کردیتے اور پہلی رائے کو توڑ دیتے حتی کہ حاضرین دوسری رائے کی صحت پر مطمئن ہوجاتے، پھر پوچھتے: اس پر تم لوگوں کو کچھ کہنا ہے؟ جب نہیں بولتے تو امام صاحبؒ تیسری صورت پیش فرماتے اور سب کی رائے اس کے موافق بنا دیتے، آخر میں ان رایوں میں سے کسی ایک کا فیصلہ فرماتے کہ یہ صحیح ہے اور اس کو مضبوط دلائل سے ثابت فرماتے ، یہ تھا امام صاحبؒ کا اپنے شاگردوں کو فقیہ بنانے کا طریقہ جو ان کی امتیازی خصوصیت ہے ،تانیب الخطیب ص ۱۴۰ میں اس کی شرح اس سے زیادہ ملے گی.

امام ابو یوسفؒ ایسے علمی امتیازی ماحول میں پروان چڑھے، امام ابوحنیفہؒ جیسے استاذ کی نگرانی میں جو لوگوں کو فقیہ بنانے میں ماہر تھے، اسکی وجہ سے ان کی عقل روشن ہوگئی، ان کے فقہ کا آسمان کشادہ ہوگیا، صلاحیتیں اجاگر ہوگئیں اور کمالات ظاہر ہوئے، یہ سب اللہ تعالی کی توفیق سے ہوا.

اس کے ساتھ یہ بات بھی ہے کہ امام ابو یوسفؒ کے دوسرے شیخ قاضی محمد بن ابی لیلی ایک لمبی مدت تک بنی امیہ اور بنی عباس کے زمانہ حکومت میں قاضی رہے، یہ دونوں حکومتیں آپس میں رقابت کے باوجود ابن ابی لیلی کی قضاء کے بارے میں وسیع معلومات سے فائدہ اٹھاتی رہیں، ان کے فیصلے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے طریقہ پر ہوتے تھے اور قاضی شریح کے طریقہ پر بھی جن کا زمانہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے لیکر حجاج کے زمانہ تک تھا.

امام ابو یوسفؒ کا قضاء کے بارے میں علم وعمل بہت تھا، اس کو انھوں نے ابن ابی لیلی سے لیا تھا انکو وراثۃً حضرت علی رضی اللہ عنہ اور قاضی شریح کے قضاء سے ملا تھا، اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام ابو یوسفؒ کیلئے ہر طرف سے علم آسانی سے آگیا تھا اور جو جس کے لئے پیدا کیا جاتا ہے اس کی توفیق اس کو مل ہی جاتی ہے .

امام ابو یوسفؒ کا قوی حافظہ اور تیز ذہانت

ابن الجوزی نے اپنے جزء میں جس کا نام [أخبار الحفاظ] ہے امت کے ممتاز سیکڑوں حفاظ میں امام ابو یوسفؒ کا بھی تذکرہ کیا ہے، یہ حفظ صرف حدیث کے ساتھ خاص نہیں ہے ، اور لکھا ہے کہ امام ابو یوسفؒ ایک دفعہ سن کر ۶۵ احادیث یاد کر لیتے اور پھر سند کے ساتھ ان کو سنا بھی دیتے، یہ کتاب دمشق کے کتب خانہ ظاہریہ میں موجود ہے پہلا ورق غائب ہے .

ابن عبد البرؒ نے [الانتقاء] میں احمد بن محمد بن احمد سے، انھوں نے احمد بن فضل بن عباس سے، انھوں نے محمد بن جریر طبری سے نقل کیا کہ امام ابو یوسفؒ فقیہ عالم حافظ تھے، کہا جاتا ہے کہ حفظ حدیث میں مشہور تھے، محدث کے پاس جاتے اور ۶۵ احادیث یاد کر لیتے اور آکر لوگوں کو لکھوا دیتے، انکو بہت حدیثیں یاد تھیں . اھ یہی بات ابن جریر نے ذیل کے

ذیل میں لکھی ہے .

اور صیمری نے [أخبار أبي حنيفه و أصحابه] میں اپنی سند سے حسن بن زیاد سے نقل کیا کہ ہم نے امام ابو یوسفؒ کے ساتھ حج کیا، راستہ میں بیمار ہوگئے، ہم بئر میمون میں اترے، ان کے پاس سفیان بن عیینہ عیادت کیلئے آئے، تو ہم سے فرمایا کہ ابو محمد (ابن عیینہ) کی حدیثیں حاصل کرو، سفیان بن عیینہ نے ۴۰ حدیثیں سنائیں، جب سفیان چلے گئے تو ہم سے امام ابو یوسفؒ نے فرمایا: جو حدیثیں روایت کی گئیں ہیں وہ مجھ سے سن لو، چنانچہ وہ ساری حدیثیں زبانی سنا دیں باوجود یکہ عمر ہوگئی تھی، کمزور تھے، بیمار تھے اور سفر میں تھے... اھ

موفق مکیؒ نے اپنی سند سے حسن ابن ابی مالک سے روایت کیا کہ ہم لوگ ابو معاویہ کے پاس حجاج ابن ارطاۃ کی فقہ کی حدیثیں حاصل کرنے جاتے تھے، ابو معاویہ ہم سے فرماتے: کیا قاضی ابو یوسفؒ آپ کے یہاں نہیں ہیں؟ ہم نے کہا جی ہیں، فرمایا ان کو چھوڑ کر میرے پاس حدیثیں لکھنے آتے ہو ؟ ہم لوگ حجاج بن ارطاۃ کے پاس جاتے تھے، حجاج لکھواتے، امام ابو یوسفؒ یاد کر لیتے، ہم باہر نکلتے تو ان کے حافظہ سے حدیثیں لکھتے تھے. رحمہ اللہ

موفق ہی نے اپنے سند سے یحی بن آدم سے نقل کیا کہ ہارون رشید سے جو عالم وفقیہ تھے کہا گیا کہ آپ نے امام ابو یوسفؒ کو ان کے مرتبہ سے اونچا کر دیا، ان کو بڑے مرتبہ پر فائز کر دیا، آپ نے ان میں کیا بات دیکھی؟ فرمایا! میں نے جو کچھ کیا ان کو پہچان کر کیا اور تجربہ کے بعد کیا، بخدا میں نے ان کو جس باب میں آزمایا، کامل پایا، ہمارے ساتھ حدیث حاصل کرنے جاتے تھے، ہم لکھتے تھے وہ لکھتے نہیں تھے، مجلس سے اٹھنے کے بعد محدثین ان کے پاس جمع ہوجاتے اور اپنی کتابیں ان کے حافظہ سے درست کرتے ، فقہ میں ایسے مرتبہ پر پہونچے کہ (انکے اہل طبقہ میں) کوئی اس درجہ تک نہیں پہونچا، بڑا سے بڑا آدمی انکے سامنے چھوٹا ہے، بڑا سے بڑا فقیہ ان کے سامنے کم درجہ ہے، لوگوں کو پڑھانے کیلئے بیٹھتے ہیں، ساتھ میں کتاب نہیں، رات کو کوئی تیاری نہیں کی اسلئے کہ ہمارے کام مشغول میں تھے اور شاگردوں

سے پوچھتے ہیں کیا چاہتے ہو؟ وہ کہتے ہیں فلاں فلاں باب، بس چل پڑتے ہیں، اور برجستہ ایسی باتیں بیان کرتے ہیں کہ علماء زمانہ اس سے عاجز رہتے ہیں، اس کے ساتھ مذہب میں استقامت ہے، اور دین کی حفاظت ہے، ان جیسا کوئی لاؤ ... اھ

ہارون رشید امیر المؤمنین کی طرف سے امام ابو یوسفؒ کی تعریف میں یہ کلمات عبرت انگیز ہیں، بڑی جامع اور مکمل تعریف کی ہے۔

داود بن رشید کا ارشاد ہے: اگر امام ابوحنیفہؒ کا امام ابو یوسفؒ کے سوا کوئی شاگرد نہ ہوتا تو بھی تمام لوگوں پر فخر کے لئے کافی تھا، میں امام ابو یوسفؒ کو علمی کسی باب میں بات کرتے سنتا تو ایسا معلوم ہوتا گویا سمندر میں سے نکال رہے ہیں، حدیث اس کے طریقہ پر، فقہ اس کے طریقہ پر اور کلام اس کے طریقہ پر، کوئی چیز ان کے لئے مشکل نہیں۔ اھ

ہلال بن یحیی بصری جو ہلال الرای سے مشہور ہیں فرماتے ہیں: کہ امام ابو یوسفؒ تفسیر، مغازی اور عرب کے واقعات کے حافظ تھے، ان کا ایک علم فقہ بھی تھا۔ اھ [1]
یعنی ان کا فقہ جس کو سب لوگ جانتے ہیں۔

ذہبی کی روایت میں یحیی بن خالد کا بیان یوں ہے: امام ابو یوسفؒ ہمارے یہاں تشریف لائے ان میں سب سے کم چیز فقہ تھی لیکن ان کی فقہ نے مشرق اور مغرب کے کناروں کو بھر دیا تھا۔ اھ

یحیی بن معین نے فرمایا: اصحاب الرای میں امام ابو یوسفؒ سے بڑھ کر کسی کو میں نے حدیث میں حافظ اور مُثبِت اور صحیح روایت والا نہیں دیکھا، اس روایت کو ابن ابی العوام نے طحاوی سے ذکر کیا۔

---

[1] بعض کتابوں میں یوں لکھا ہے: ان کا سب سے کم علم فقہ تھا، شاید یہ تحریف یا مبالغہ ہے۔ ۱۲ کوثری
تعریف کے موقع پر ایسا مبالغہ ہوجاتا ہے جیسا کہ اس کے بعد والی روایت میں ہے۔ ۱۲ مترجم

امام ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں محدثین حفاظ کے ضمن میں امام ابو یوسفؒ کو ذکر کیا ہے، اور الگ سے ان کے مناقب میں ایک خاص جزء بھی لکھا ہے، وہ طبع بھی ہوگیا ہے۔

صیمری نے طحاوی کے طریق سے ابن ابی عمران سے ذکر کیا ہے کہ امام ابو یوسفؒ کوفہ کے قاضی حجاج بن ارطاۃؒ کے پاس گئے اور باندی کے پیٹ کے بچے (جنین) کے بارے میں پوچھا (کہ کیا واجب ہے؟) حجاج نے فرمایا: اس کی ماں (باندی) کی قیمت کا بیسواں (۲۰) حصہ، امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کیا ایسا نہیں کہ آزاد عورت کے پیٹ کا بچہ مارنے سے اگر مَر کر گِر جائے تو اس میں غُرّہ (غلام یا باندی) واجب ہے اور اگر زندہ گِرے پھر مَر جائے تو دیت واجب ہے؟ حجاج نے فرمایا ہاں، امام ابو یوسفؒ نے فرمایا: آپ نے تو الٹا کردیا کہ باندی کے بچے میں جبکہ وہ مُردہ ہو اُس سے زیادہ واجب کردیا جبکہ زندہ ہو پھر گر کر مرے، اسلئے کہ زندہ بچے کی قیمت کبھی دو درہم ہوگی اور ماں کی قیمت دو سو (۲۰۰) درہم ہوگی، حجاج نے فرمایا: بچے اس طرح کی بات ہو تو لوگوں کے سامنے مت ذکر کیا کرو۔

صیمری نے اپنی سند سے ذکر کیا کہ امام ابو یوسفؒ نے (حضرت امام مالکؒ کے شیخ) ربیعۃ الرای سے پوچھا کہ ایک غلام دو آدمیوں کے درمیان مشترک ہے، ایک نے اپنا حصہ آزاد کردیا، اس کا کیا حکم ہے؟ فرمایا یہ آزاد کرنا جائز نہیں، پوچھا کیوں؟ فرمایا اسلئے کہ یہ نقصان کرنا ہے، اور حدیث میں آیا ہے لاضَرَرَ ولاضِرار یعنی نہ ابتداءً ضرر پہونچانا جائز ہے نہ بدلہ میں، پوچھا دوسرا آزاد کردے تو کیا حکم ہے؟ فرمایا اس کا عتق جائز ہے، امام ابو یوسفؒ نے کہا آپ نے اپنا قول چھوڑ دیا، اسلئے کہ پہلا کلام اگر بیکار تھا اور کچھ عمل نہیں کیا اور آزادی نہیں واقع ہوئی تو دوسرے نے بھی آزاد کیا ایسی صورت میں کہ وہ پورا غلام ہے (تو وہی خرابی یہاں بھی ہے)، ربیعۃ الرائے خاموش ہوگئے۔ اھ

طحاوی نے ابن ابی عمران سے، انھوں نے ابن سماعہ سے، انھوں نے امام ابو یوسفؒ سے یہی مضمون نقل کیا ہے۔

اتنے واقعات سے امام ابو یوسفؒ کی ذہانت اور قوت حفظ کا کافی ثبوت ہوگیا، اتنا کافی ہے۔

فقہ وحدیث میں امام ابو یوسفؒ کے اساتذہ

قضاء کے مسائل میں امام ابو یوسفؒ نے قاضی محمد بن ابی لیلیٰؒ سے کمال پیدا کیا، فقہ و حدیث کے لئے امام اعظم ابوحنیفہؒ کی ایسی شاگردی کی کہ فقہ اور احکام کے دلائل میں فاضل ہوگئے، دونوں اساتذہ کے فرمانبردار اور ان کے علم کی اشاعت کرتے رہے، حتی کہ احمد بن ابن عمار بن ابی مالک نے اپنے والد سے امام ابو یوسفؒ کے بارے میں نقل کیا کہ اگر یہ نہ ہوتے تو امام ابوحنیفہؒ اور قاضی ابن ابی لیلی کی شہرت نہ ہوتی۔ اھ

یہ غلو ہے جو امام ابو یوسفؒ کو بھی پسند نہیں رہا ہوگا، صحیح بات یہ ہے کہ اگر یہ دونوں نہ ہوتے تو امام ابو یوسفؒ کو یہ بلند مقام نہ ملتا، خود امام ابو یوسفؒ نے فرمایا: مجھ کو امام ابوحنیفہؒ اور قاضی ابن ابی لیلی کی مجلسوں سے زیادہ محبوب کوئی مجلس نہیں تھی، میں نے امام ابوحنیفہؒ سے بڑا فقیہ کسی کو نہیں دیکھا اور قاضی ابن ابی لیلی سے بہتر کوئی قاضی نہیں پایا، ابن ابی العوام نے اپنی سند سے اسکو بیان کیا ہے۔

ہاں دونوں کے فرمانبردار تھے اور ان کے علوم کو عام کرتے تھے دونوں کیلئے دعاء کرتے تھے بلکہ امام ابوحنیفہؒ کیلئے ہر نماز کے بعد اپنے والدین سے پہلے دعاء کیا کرتے تھے، یہ بات کئی سندوں سے مروی ہے، اسلئے اللہ تعالی نے ان کے علم میں برکت دی۔

عمار بن ابی مالک کی ابو الفتح ازدی نے تضعیف کی ہے، ذہبی اور ابن حجر نے بھی اس کو تسلیم کیا ہے (اسلئے اس کی روایت کا اعتبار نہیں)۔

یوسف بن ابی سعد نے ذکر کیا ہے کہ امام ابو یوسفؒ نے فرمایا: میں امام ابوحنیفہؒ کے

یہاں ۲۹ سال تک اس طرح حاضر ہوا کہ کبھی فجر کی نماز نہیں چھوٹی جیسا کہ منیہ اور نافع کبیر میں ہے۔

صیمری نے امام ابو یوسفؒ سے اپنی سند سے بیان کیا ہے کہ میں امام ابوحنیفہؒ کے ساتھ سترہ (۱۷) سال تک اس طرح رہا ہوں کہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن بھی غائب نہیں رہا سوائے بیماری کے ..اھ شاید یہ مدت صرف امام ابوحنیفہؒ کے ساتھ رہنے کی ہے، کہیں اور نہیں جاتے تھے، اور پہلی مدت (یعنی ۲۹ سال والی) میں صبح کو امام اعظمؒ کے پاس جاتے، فجر کی نماز کے وقت، پھر بعد میں دن میں اور مشایخ کے پاس بھی جاتے تھے۔

(امام ابو یوسفؒ کے اساتذہ ومشایخ)

ہم امام ابو یوسفؒ کے بعض اساتذہ کے نام پیش کرتے ہیں :

ابان بن ابی عیاش، احوص بن حکیم، ابو اسحاق سلیمان شیبانی، اسرائیل بن ابی اسحاق یونس، اسماعیل بن ابراہیم بن مہاجر بجلی، اسماعیل بن امیہ، اسماعیل بن ابی خالد، اسماعیل بن علیہ، اسماعیل بن مسلم، ایوب بن عتبہ، بیان بن بشر، ابوبکر بن عبداللہ ہذلی، ثابت ابوحمزہ ثمالی (ترمذی کے رجال میں سے ہیں)، ابن جریج عبدالملک، ابو جناب یحی کلبی، حجاج بن ارطاۃ، حریز بن عثمان، حسن بن حی، حسن بن دینار، حسن بن عبدالملک بن میسرہ، حسن بن علی بن عمارہ، حصین بن عبدالرحمٰن سلمی، حصین بن عمرو بن میمون، حنظلہ بن ابی سفیان، خصیب بن عبد الرحمٰن، داود بن ابی ھند، روح بن مسافر، سری بن اسماعیل، سعید بن ابی عروبہ، سعید بن مرزبان، سعید بن مسلم، سعید بن یحی لخمی، سفیان بن عیینہ، ابوسفیان بن علاء، سلیمان تیمی، سلیمان بن مہران اعمش، سماک بن حرب، طلحہ بن یحی، طارق بن عبدالرحمٰن، عاصم بن ابی نجود، عاصم احول، عبداللہ بن سعید مقبری، عبداللہ بن علی، عبیداللہ بن عمر، ان کے بھائی عبد

اللہ بن عمر، عبداللہ بن محرر ، عبداللہ بن واقد، عبداللہ بن ولید مدنی ، عبیداللہ بن ابی حمید، عبیدہ بن ابی رائطہ، عبدالرحمٰن بن ثابت، عبدالرحمٰن بن عبداللہ مسعودی ،عبدالرحمٰن بن معمر، عبدالملک بن میسرہ، عتبہ بن عبداللہ، عطاء بن عبداللہ، عطاء بن السائب، عطاء بن عجلان، علاء بن کثیر، عمرو بن دینار، عمرو بن عثمان، عمرو بن مہاجر، عمرو بن میمون بن مہران، عمرو بن یحی بن عمارہ، عمر بن نافع ، غالب بن عبیداللہ، غیلان بن قیس ہمدانی ،فضل بن مرزوق ،فطر بن خلیفہ، قیس بن ربیع ،قیس بن مسلم ، کامل بن علاء، لیث بن سعد، لیث بن ابی سلیم ، مالک بن انس ، مالک بن مغول ، مجالد بن سعید، محمد بن اسحاق صاحب المغازی ، محمد بن ابی حمید، محمد بن سائب کلبی ، محمد بن سالم ، محمد بن طلحہ، محمد بن عبداللہ بن عمرو بن شعیب ، محمد بن عبیداللہ عرزمی ، محمد بن عمرو بن علقمہ، مِسعر بن کِدام ،مسلم حزامی ،مطرف بن طریف ، ابو معشر، مغیرہ بن مقسم ،منصور بن معتمر ،منہال بن خلیفہ،میسرہ بن معبد، نافع مولی ابن عمر، نصر ابن طریف، ابن ابی نجیح عبداللہ، نعمان بن ثابت، ورقاء اسدی، ولید بن عیسی ،ھشام بن عروہ، ھشام بن سعید، یحی بن ابی انیسہ ، یحی بن سعید انصاری، یحی بن عبداللہ تیمی ، یحی بن عمرو بن سلمہ، یزید ابو خالد، یزید بن ابی زیاد، یونس بن ابی اسحاق، ان کے علاوہ حجاز عراق اور تمام شہروں کے اہل علم حضرات آپ کے اساتذہ ہیں، ان میں سے بعض کو بعض نقاد ضعیف کہتے ہیں مگر فقہاء کرام کی ایک خاص نظر ہے وہ رجال کو اس اعتبار سے دیکھتے ہیں کہ کیا خبر دے رہے ہیں، اور کلام و جرح کرنے والے محدثین ان میں کیوں جرح کر رہے ہیں، جب دیکھتے ہیں کہ کچھ متشدد جرح کرنے والے اور ان کے متبعین بعض لوگوں پر صرف اس وجہ سے جرح کرتے ہیں کہ وہ رائے اور کلام میں غور کرتے ہیں، اور یہ ایسے لوگ ہیں جو فقہاء کے زمانہ کے ہیں اور ان کو قریب سے دیکھا ہے، اپنے ان اساتذہ کے احوال سے اچھی طرح واقف ہیں کہ ان میں کتنا ضبط و اتقان اور عدالت ہے یا وہم و نسیان کا غلبہ ہے، ہر ایک چیز کو اچھی طرح پرکھتے اور وزن کرتے ہیں، بغیر معقول وجہ کے جرح نہیں کرتے ، جیسے بہت

سے ناقلین کر دیتے ہیں اسلئے کہ ان مسائل کی تہ میں نہیں پہونچ پاتے جو اہل روایت اور اہل درایت اور انکے جامعین کے درمیان زیر بحث رہتے ہیں، امام شافعیؒ نے بھی بہت سے ایسے راویوں سے روایتیں قبول فرمائی ہیں جن پر بعض لوگوں نے سخت جرحیں کی ہیں .

(علم کی طرف انکی کامل توجہ اور شاگردوں کو پڑھانے میں صبر و تحمل)

حسن بن زیاد فرماتے ہیں: میں امام زفرؒ اور امام ابو یوسفؒ دونوں کے پاس فقہ حاصل کرنے کیلئے جایا کرتا تھا، امام ابو یوسفؒ تعلیم میں امام زفرؒ سے زیادہ صبر کرنے والے تھے، میں پہلے امام زفرؒ کے پاس جاتا، کوئی مشکل مسئلہ پوچھتا، وہ وضاحت فرماتے لیکن میں نہیں سمجھ پاتا، جب میں ان کو تھکا دیتا تو فرماتے: اللہ تجھ پر رحم فرمائے تم کو کچھ آتا جاتا نہیں، میں نہیں سمجھتا کہ تم کبھی کامیاب ہوگے، وہاں سے نکل کر تھکا ہوا غمگین امام ابو یوسفؒ کے پاس جاتا وہ مجھے سمجھاتے ، میں نہ سمجھتا تو فرماتے: ٹھہرو، پھر پوچھتے بالکل نہیں سمجھ میں آیا؟ جیسے پہلے تھے ویسے ہی ہو یا کچھ سمجھ میں آیا؟ میں کہتا: کچھ باتیں سمجھ میں آئیں لیکن مقصود تک رسائی نہیں ہوئی، پورا مقصد حاصل نہیں ہوا، فرماتے: ہر ناقص چیز مکمل ہوتی ہے، صبر کرو مجھے امید ہے کہ مقصد میں کامیاب ہوگے .

امام ابو یوسفؒ اپنے شاگردوں سے فرماتے: اگر مجھ سے ہوسکتا کہ اپنے دل کی بات تمہارے دل میں اتاروں تو اتار دیتا .

علم سکھانے کا اہتمام اتنا زیادہ تھا کہ موت کے وقت بھی علمی بات کرتے رہے اور مسئلہ پوچھتے اور بتاتے رہے .

ابراہیم بن جراح فرماتے ہیں کہ امام ابو یوسفؒ بیمار ہوئے، میں ان کی عیادت کو حاضر ہوا، دیکھا کہ بے ہوش ہیں، جب ہوش آیا تو مجھ سے پوچھا : ابراہیم جمرات کی رمی میں کیا

بہتر ہے،سوار ہوکر یا پیدل؟ میں نے کہا پیدل،فرمایا:تم نے غلط کہا،میں نے کہا سوار ہوکر، فرمایا یہ بھی غلط ہے، پھر خود فرمایا: جس جمرہ کے بعد دعاء کیلئے کھڑے رہتے ہیں اسکی رمی پیدل بہتر ہے اور جس جمرہ کے بعد دعاء کیلئے ٹھرتے نہیں اس میں سوار ہوکر رمی کرنا افضل ہے، میں ان کے پاس سے اٹھا،ابھی گھر کے دروازہ پر پہونچا تھا کہ رونے کی آواز سنی اور انتقال ہوگیا،اللہ کی رحمت ہوان پر. اس کو ابن ابی عوام نے اپنی سند کے ساتھ ذکر کیا ہے، یہی بات صیمری کی کتاب میں بھی ہے، اس کو ابوعبید نے ابراہیم بن جراح سے نقل کیا ہے، اس میں یہ اضافہ ہے کہ ابراہیم نے پوچھا: اس حالت میں بھی آپ یہ مسئلہ بتارہے ہیں؟ فرمایا کوئی حرج نہیں،، ہم بیان کررہے ہیں کوئی اس سے نجات پائے گا (کسی کو فائدہ ہوگا)، پھر حکمت بتائی کہ جہاں پیدل رمی بہتر ہے اسلئے کہ پیدل میں جم کر ٹہر کر اطمینان سے دعاء کرسکتے ہیں (سواری کی بھیڑ اور اس کو سنبھالنے کی فکر نہیں رہے گی) اور جہاں سوار ہوکر رمی افضل ہے اسلئے کہ وہاں سے جلدی سے روانہ ہوجائیں گے.

امام ابو یوسفؒ نے اس صبر وتحمل کی وجہ سے علم کی برکت پائی، اللہ تعالی، اس کے رسول ﷺ نیز علماء کی رضامندی حاصل کی.

(امام ابو یوسفؒ کے کچھ تلامذہ اور شاگرد)

جن لوگوں نے امام ابو یوسفؒ سے کچھ علم حاصل کیا یا ان سے فقہ میں کمال پیدا کیا ان میں سے کچھ کے نام یہ ہیں:

ابراہیم بن جراح مازنی قاضی، ابراہیم بن سلمہ طیالسی، ابراہیم بن یوسف بن میمون بلخی، ابوابراہیم بن معبد، احمد بن حنبل، انھوں نے امام ابو یوسفؒ سے تین صندوق کے برابر علم لکھا، احمد بن محمد بن عیسی سکونی، حافظ احمد بن منیع، اسحٰق بن فرات کندی، اسحٰق بن ابی اسرائیل،

اسد بن فرات، انھوں نے سحنون سے پہلے امام مالکؒ کا مذہب مدون کیا، اسماعیل بن حماد بن ابی حنیفہؒ، اسماعیل بن فضل، اشرف بن سعید نیشاپوری، بشار بن موسی خفاف بصری، بِشر بن غیاث ابوعبدالرحمٰن مریسی ۱؎ (جمہور مَریسی فتحہ اور تخفیف کے ساتھ بولتے ہیں اور صغانی کسرہ اور تشدید کے ساتھ)، بشر بن معلّٰی، بشر بن ولید کندی، بشر بن یزید ابوالازہر نیشاپوری، ابوبکر جو امام ابو یوسفؒ کے بھانجے ہیں، توبہ بن سعد مروزی، جعفر بن یحیی برمکی، حسن بن ایوب ابوعلی نیشاپوری، حسن بن زیاد لؤلؤی، حسن بن زیاد بن عثمان بن حماد زیادی ابوحسان، حسن بن شبیب، حسن بن ابی مالک، حسن بن مسہر، حسین بن ابراہیم بن حر بغدادی اشکاب، حسین بن حفص اصفہانی، حسین بن ولید، حفص فرد، حماد بن دلیل، حبان بن بشر بن

۱؎ انھوں نے خلق قرآن کے مسئلہ میں معتزلہ کی موافقت کی، امام ابو یوسفؒ نے ان کو ڈانٹا لیکن نہیں مانے، ضروری تھا کہ اس مسئلہ میں نہ پڑتے اگرچہ انکا مطلب یہ رہا ہو کہ دو کناروں کے بیچ میں جو قرآن ہے اور تلاوت کرنے والوں کی زبان پر جو قرآن ہے وہ حادث ہے، پھر بھی اس مسئلہ میں نہیں پڑنا چاہئے تھا، باوجودیکہ فقہ میں بہت ماہر تھے اس مسئلہ کی وجہ سے نقاد نے انکو ساقط کردیا، ((نقض الدارمی)) جو چند سال قبل طبع ہوچکی ہے اس میں ان کے مخالفین کے دلائل مذکور ہیں، عبدالقاہر بغدادی نے (اصول الدین ص ۳۰۸) میں لکھا ہے کہ مریسی نے معتزلہ سے صرف خلقِ قرآن میں موافقت کی تھی اور خلقِ افعال کے مسئلہ میں ان کو کافر قرار دیا تھا. اھ ابن تیمیہ نے (منہاج ۱/۲۵۶) میں لکھا کہ مَرِیسی مرجئہ میں سے تھا معتزلہ میں سے نہیں تھا.اھ ان کی طرف بدعتیں منسوب ہیں، اللہ ہی ان کے ثبوت کو بہتر جانتے ہیں، ابن زنجویہ نے امام احمد سے نقل کیا ہے، فرماتے ہیں: میں قاضی ابو یوسفؒ کی مجلس میں اس وقت موجود تھا جب مَرِیسی کو امام ابو یوسفؒ کے حکم سے پاؤں پکڑ کر کھینچ کر باہر نکالدیا گیا، بعد میں پھر مجلس میں دیکھا تو پوچھا: تمہارے ساتھ وہ کیا گیا پھر بھی تم آئے، کہا میرے ساتھ کل جو کیا گیا اسکی وجہ سے میں علم سے اپنا حصہ ضائع نہیں کرنا چاہتا . اھ ابن ابی عوام نے طحاوی کے طریق سے نقل کیا ہے کہ امام ابو یوسفؒ مریسی سے کہا کرتے تھے :تم کتنے اچھے آدمی ہو اگر تمہاری بری رائے نہ ہوتی .اھ صیمری نے کہا: ان کی تصنیفات ہیں اور امام ابو یوسفؒ سے بہت سی روایتیں ہیں، زہد وتقوی والے تھے، مگر علم کلام میں مشہور ہونے کی وجہ سے لوگوں نے اس وقت ان سے اعراض کیا اور حسین نجار نے ان سے ان کا مذہب لیا.اھ بغداد کے ایک سفر میں امام شافعیؒ ان کے یہاں ٹہرے تھے. (کوثری)

مخارق، خالد بن صبیح، ابوالخطاب امام ابو یوسفؒ کے کاتب، خلف بن ایوب بلخی، داود بن رشید خوارزمی، سعید بن ربیع ابوزید ہروی، سورۃ بن الحکم، سھل بن مزاحم، شجاع بن مخلد، شعیب بن سلیمان کیسانی، شقیق بن ابراہیم بلخی، عباس بن ولید، ابوالعباس طوسی، عبداللہ ابن عمر بن غانم رعینی، عبدالرحمٰن بن عبداللہ عمری، عبدالرحمٰن بن مسہر، عبدالرحمٰن بن مھدی، عبدوس بن بشر رازی، عثمان بن بحر جاحظ، عثمان بن حکیم، عرزم بن فروہ، عصام بن یوسف بلخی، علی بن جعد جوہری حافظ مشہور جعدیات والے، علی بن حجر مروزی، علی بن حرملہ کوفی، علی بن خشرم، علی بن صالح جرجانی، علی بن صبیح، علی بن عمروس قرظی، علی بن مدینی، علی بن مسلم طوسی، عمار بن عبدالملک ابوالیقظان مروزی، عمر بن حماد، عمرو بن ابی عمرو حرانی، عمرو بن محمد ناقد، عمرو بن الولید اعصف، فرات بن نصر ہروی، فرج بن عبداللہ امام ابو یوسفؒ کے غلام، فضل بن حاتم، فضل بن غانم، فضیل بن عیاض، قاسم بن حکم عرنی، قتیبہ بن اسد، محمد بن ابراہیم بن ابی سکینہ، محمد بن بکر بن خالد قصیر ابوجعفر امام ابو یوسفؒ کے کاتب، محمد بن حسن شیبانی، محمد بن خالد حنظلی رازی، محمد بن ابی رجاء خراسانی، محمد بن سماعہ تمیمی، محمد بن صباح، محمد بن عمرو بن سری مصرفی، مخلد بن خالد، معلٰی بن منصور رازی، موجہ ابو عمرو مروزی، موسی بن سلیمان جوزجانی، ابوموسی انصاری، ابن ابی نجدہ، نصر بن عبدالکریم بلخی، وکیع بن الجراح، ھشام بن عبدالملک ابوالولید طیالسی، ھشام بن عبیداللہ رازی، فقہ کی روایت میں ان کو لوگوں نے نرم قرار دیا ہے، ہشام بن معدان امام ابو یوسفؒ کے کاتب، ہلال بن یحی الرائے البصری، جو ہلال الرای سے مشہور ہیں، احکام الوقف کے مصنف ہیں، ھیثم بن خارجہ، ھیثم بن موسی، یحی بن آدم، یحی بن عبدالصمد، یحی بن معین، یحی بن یحی نیشاپوری، امام ابو یوسف کے بیٹے جو کتاب الآثار اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، اور ان کے علاوہ بہت سے لوگ، ان ناموں میں بعض ایسے ہیں جنہوں نے امام ابو یوسفؒ کے ساتھ امام ابوحنیفہؒ سے استفادہ کیا ہے، اور بعض ایسے ہیں جنہوں نے امام محمدؒ کے ساتھ امام ابو

یوسفؒ سے استفادہ کیا پھر امام محمدؒ سے بھی استفادہ کیا.

بہت سے لوگ امام ابو یوسفؒ سے استفادہ کر کے فقیہ بنے جیسا کہ ذہبی نے ذکر کیا ہے، ان سے کئی بڑے ائمہ نے تحصیل علم کیا، امام شافعیؒ ان سے صرف کتاب الام اور مسند میں امام محمدؒ کے واسطے سے نقل کرتے ہیں جیسا کہ ولاء کے بیع والی حدیث میں ہے، امام شافعیؒ نے اگرچہ ان کا زمانہ پایا ہے لیکن ان سے ملے نہیں، ابن تیمیہ، ابن حجر اور سخاوی نے اسکو یقین کے ساتھ ذکر کیا ہے.

امام ابوحنیفہؒ کی بعض مسانید میں امام شافعیؒ کی روایت امام ابو یوسفؒ سے مذکور ہے، یہ سبقت قلم ہے، کاتب نے یوسف کے بجائے ابو یوسف لکھ دیا، یوسف سے مراد یوسف بن خالد سمتی ہیں. واللہ اعلم

(اجتہاد میں امام ابو یوسفؒ کا مقام
اور اصل مقرر کرنے اور اسکی تفریعات میں انکی گہری نگاہ)

اجتہاد کا مطلب ہے حکم فرعی کو اس کی دلیل سے نکالنے میں اپنی پوری کوشش صرف کر دینا، اور اجتہادِ مطلق کی شرطیں یہ ہیں: کتاب اللہ کے معانی کا علم، لغت اور شریعت، افراد اور ترکیب ہر لحاظ سے، سیکھ کر یا سلیقہ سے، حدیث کے اسناد و متن کا علم، اجماع کہاں کہاں ہوا اس کا علم، قیاس شرعی کی وجوہ کا علم وغیر ذلک جس کی تفصیل اصول فقہ میں مذکور ہے.

امام ابو یوسفؒ اس مجلس علمی کے خاص منفرد رکن تھے، جس کی سیادت و قیادت حضرت امام ابوحنیفہؒ کوفہ میں فرما رہے تھے، مسائل کی تحقیق اور دلائل کی تدقیق میں نیز طے شدہ جوابات کی تدوین میں امام ابو یوسفؒ دوسرے اصحاب مجلس کے ساتھ برابر شریک رہتے، امام ابوحنیفہؒ کی وفات تک انتیس (۲۹) سال تک یہ سلسلہ جاری رہا، درمیان میں تھوڑا وقفہ ایسا

ہے جس میں امام ابوحنیفہؒ کی مجلس سے غیر حاضر رہے، ۱۷ سال تک بلا انقطاع یہ سلسلہ جاری رہا، امام ابو یوسفؒ جیسے شخص نے جس کو بلا کی ذہانت، خلاف عادت حافظہ اور علم کی طرف پوری توجہ حاصل تھی جب ایسی مجلس میں پابندی سے شرکت کی ہوگی اور خداداد صلاحیتوں کو استعمال کیا ہوگا تو لازماً ان کی فطری صلاحیتوں نے خوب کام کیا ہوگا اگرچہ اپنے استاذ کے احسان اور انکی علمی تربیت کے شکریہ میں ہمیشہ اپنے کو انکی طرف منسوب کرتے رہے ۔

امام ابوحنیفہؒ نے انکے بارے میں شہادت دی ہے کہ اپنے طبقہ میں زمین والوں میں سب سے بڑے عالم ہیں، طحاوی نے اپنی سند سے اسد بن فرات سے اس کو نقل کیا ہے جیسا کہ خطیب نے اپنی تاریخ میں اس کو ذکر کیا ہے ۔

حافظ فقیہ علی بن جعد۔ صاحب جعدیات مشہورہ ۔ نے فرمایا کہ میں نے ان کا مثل نہیں دیکھا۔

طحاوی کے شیخ ابن ابی عمران نے فرمایا کہ علی بن جعد نے سفیان ثوری، حسن بن صالح، مالک، ابن ابی ذئب، لیث بن سعد مصری، شعبہ بن حجاج کو دیکھا تھا، جیسا کہ صیمری نے اسکو ذکر کیا ہے، تو علی بن جعد نے **ما رأیت مثلہ** فرما کر امام ابو یوسفؒ کو ان تمام پر فضیلت دی۔

سلیمان اعمش نے امام ابو یوسف کو حضرت بریرہ کی حدیث سنائی تھی، امام ابو یوسفؒ نے اس سے ایک مسئلہ نکالا اور اعمش کو بتایا تو فرمایا : **انتم الأطِبّاء ونحن الصّیادِلة** ، ہم لوگ دوائیں لاتے ہیں آپ لوگ ان کا فائدہ بتاتے ہیں، یہ حدیث میں نے تمہارے والدین کے جمع ہونے سے پہلے روایت کی لیکن اب تک اس کا معنی نہیں سمجھا تھا، آج سمجھ میں آیا، اس سے معلوم ہوا کہ امام ابو یوسفؒ کے استنباط میں باریکی تھی ۔

طلحہ بن محمد بن جعفر شاہد نے تو یہاں تک کہدیا کہ امام ابو یوسفؒ اپنے زمانہ میں سب سے بڑے فقیہ ہیں، ان کے زمانہ میں ان سے آگے کوئی نہیں بڑھ سکا ۔

یحی بن خالد نے فرمایا: امام ابو یوسفؒ ہمارے یہاں تشریف لائے، ان میں سب سے کم جو

چیز تھی وہ فقہ تھی، اور انہوں نے فقہ سے مشرق و مغرب کے درمیان کو بھر دیا۔

حافظ عبد اللہ بن داود خریبی نے فرمایا: امام ابو یوسفؒ فقہ پر ایسے قابو یافتہ تھے کہ جس طرح چاہتے اس کو لیتے، ابن ابی العوام نے اپنی سند سے اس کو ذکر کیا ہے۔

امام زفرؒ قوتِ احتجاج اور اعلی ہوشیاری میں مشہور تھے، لیکن امام ابو یوسفؒ کا جب ان سے مناظرہ ہوتا، امام ابوحنیفہؒ فیصلہ فرماتے کہ ابو یوسفؒ غالب ہیں، یہ بات کئی سندوں سے مروی ہے ۔

امام ابو یوسفؒ کا حافظہ ضرب المثل تھا، آثار و احادیث کی معرفت وسیع تھی، اور بہت مضبوطی سے احادیث کا اتباع کرتے تھے، اس پر سب کا اتفاق ہے، اس لئے اس میں شبہہ نہیں ہونا چاہئے کہ وہ مجتہد مطلق تھے ۔

مجتہدین کی تقسیم :مشہور یہ ہے کہ مجتہدین کی تین قسمیں ہیں: ۱۔ مجتہد مطلق مستقل غیر منسوب ۲۔ مجتہد مطلق منسوب ۳۔ مجتہد جو کسی امام کے مذہب کا مقید ہو، اس کے اصول پر اجتہاد کرتا ہو، اس کو ابن حجر مکی نے [**شن الغارہ**] میں ذکر کیا ہے، انکی عبارت بعینہ مولانا عبد الحیؒ لکھنویؒ نے [**النافع الکبیر لمن یطالع الجامع الصغیر**] میں ذکر کی ہے، اسی کو شاہ ولی اللہ احمد بن عبد الرحیم نے بھی [**الانصاف فی اسباب الاختلاف**] میں لیا ہے اگرچہ ان دونوں نے کما حقہ پوری بحث نہیں کی ہے، اس کے باوجود یہ قول ابن کمال وزیر کے اس قول سے صحت سے زیادہ قریب ہے جس کو انھوں نے فقہ کے درجات اور فقہاء کے ان درجات پر تقسیم کرنے کے سلسلہ میں ذکر کیا ہے، خواہ ان سے پہلے کسی نے ایسا ذکر کیا ہو یا نہ کیا ہو، ابن کمال نے طبقات کی ترتیب بھی صحیح نہیں ذکر کی ہے اور ان طبقات پر فقہاء کی تقسیم بھی صحیح نہیں کی ہے اگرچہ بعد کے مقلدین نے اس کو اچھا سمجھا ہے ۔

مولانا عبد الحیؒ لکھنویؒ کو ابن کمال کے اس فعل میں تردد تھا، شیخ شہاب الدین مرجانی

محقق (متوفی ۱۳۰۶ھ) نے اپنی کتاب [ناظورة الحق فی فرضیة العشاء وان لم یغب الشفق] میں ابن کمال کی ان دونوں باتوں کی تردید کی، ترتیب کی بھی اور تقسیم کی بھی، اس سے مولانا لکھنویؒ کا تردد دور ہوا اور دل کو اطمینان ہوا، مرجانی کی تنقید اور تحقیق سے اب بات ٹھیک ہوگئی، اللہ تعالی ان کو علم کی طرف سے جزائے خیر نصیب فرمائی. (آمین)

میں حاشیہ میں ابن کمال کا رسالہ بعینہ نقل کرتا ہوں [۱] تا کہ انکی غلط ترتیب اور تقسیم دونوں معلوم ہوجائے، پھر اس کتاب میں آخر میں شیخ مرجانی کی تنقید بھی نقل کروں گا اگر چہ لمبی ہے لیکن اس پر مطلع ہونے اور بیدار ہونے کی ضرورت ہے، ابن کمال کے کلام سے بہت لوگوں کو دھوکہ ہوا ہے.

امام ابو یوسفؒ اور ان جیسے فقہاء کو صرف مجتہد فی المذھب کے درجہ میں رکھنا جیسا کہ ابن کمال نے کیا ہے ان کے درجہ کو گرانا ہے اور ان کے حق کو کم کرنا اور ترازو میں کم تولنا ہے، اس کو علماء کے مراتب سے واقف حضرات جانتے ہیں، اسی لئے مرجانی نے ابو یوسف، محمد اور زفر رحمہم اللہ کے بارے میں فرمایا کہ ان کا حال فقہ میں مالک، شافعی اور ان جیسے فقہاء سے اونچا نہیں ہے تو ان سے کم بھی نہیں ہے، آئندہ یہ بات آرہی ہے.

حق یہ ہے کہ اجتہاد کے دو کنارے ہیں، ایک بہت اونچا دوسرا بہت نیچا اور ان دونوں کے درمیان بہت سے درجے ہیں جن میں بہت فرق اور بہت اختلاف ہے، اسلئے کسی فقیہ کو صرف مجتہد مطلق مستقل کے طبقہ میں شمار کرلینے سے اس کا مقام نہیں معلوم ہوتا، جن لوگوں نے ہمیشہ اپنے کو کسی کی طرف منسوب کیا ان میں سے بہت سے ایسے ہیں جو ان لوگوں سے اونچے ہیں جنھوں نے مستقل بننے کی کوشش کی.

اس کے ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ صحیح معنی میں استقلال مشہور ائمہ متبوعین میں بھی نہیں

---

[۱] ہم نے اس کا ترجمہ نہیں کیا اسلئے کہ آخر کتاب میں وہ رسالہ آرہا ہے. مترجم
(۱۰ر یوم عاشوراء ۱۴۲۹ھ ۲۰۰۸/۱/۱۹)

پایا جاتا، انکے بعد کے لوگوں کو جانے دیجئے، اسلئے کہ امام ابو حنیفہؒ نے اکثر و بیشتر عراق کے فقہاء یعنی علی اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما کے شاگردوں اور ان کے شاگردوں کا طریقہ اختیار کیا ہے خاص طور سے ابراہیم نخعی کا طریقہ، امام مالکؒ نے ابن عمر اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہم کا اور ان کے شاگردوں کا پھر ان کے شاگردوں کے شاگردوں کا یہاں تک کہ سات فقہاء مدینہ اور ان کے شاگردوں کا طریقہ اختیار کیا خاص طور سے ربیعۃ الرائےؒ کا، امام شافعیؒ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کا اور انکے شاگردوں کا نیز شاگردوں کے شاگردوں کا طریقہ اپنایا جو مکہ مکرمہ میں تھے جیسے مسلم بن خالد وغیرہ، اسکے ساتھ عراق اور حجاز کے طریقوں سے بھی فائدہ اٹھایا، پہلے تو امام مالکؒ کی طرف اپنے کو منسوب کرتے تھے، یہاں تک کہ عیسی ابن ابان نے انکی تردید کی، پھر مذہب جدید میں یعنی مصر آنے کے بعد استقلال کے باوجود ان پر امام محمدؒ کے مسائل کا غلبہ تھا، ایک مجتہد کا دوسرے مجتہد سے موافقت کرنا اسکی تقلید نہیں ہے بلکہ پہلے مجتہد نے جس دلیل سے وہ مسئلہ لیا دوسرے نے بھی وہیں سے وہ مسئلہ لیا، اسلئے جواب ایک ہوگیا اور موافقت ہوگئی.

ابن خزیمہ اور ابن منذر نے یہ دعوی کیا ہے کہ بالغ ہونے کے بعد سے ہم نے کسی کی تقلید نہیں کی، یہ ان کا دعوی انکو مجتہد منتسب کے درجہ سے اوپر مجتہد مستقل کے درجہ تک نہیں پہونچاتا، پہلے صاحب نے امام شافعیؒ کی سخت تردید میں محمد بن عبد الحکم کی تائید کی اور دوسرے صاحب پر یہ الزام ہے کہ وہ مسائل کو ایسے لوگوں کی طرف منسوب کرتے ہیں جو اس کے قائل نہیں اور ضعیف کو قوی اور قوی کو ضعیف بناتے ہیں.

ابوبکر قفال، ابو علی بن خیران اور قاضی حسین سے یہ منقول ہے کہ انھوں نے فرمایا: ’’ ہم امام شافعیؒ کے مقلد نہیں، ہماری رائے امام شافعیؒ کی رائے کے موافق ہوگئی ہے‘‘، یہ ان حضرات کا دعوی بھی ان کو امام شافعیؒ کے درجہ تک نہیں پہونچاتا جیسا کہ ظاہر ہے، بعد کے لوگوں کو یہ مناسب نہیں کہ وہ اپنے متقدمین کے احسانات اور خدمات کا انکار کریں، اسلئے کہ

انھوں نے پہلے علم مدون کیا پھر متاخر نے اس سے فائدہ اٹھایا. (والفضل للمتقدم) .

ابوالولید (باجی مالکی) نے یہ بحث کرتے ہوئے کہ فقہ مالکی میں کون لوگ درجۂ اجتہاد کو پہونچے اور سارے علوم کے جامع تھے یہ لکھا کہ یہ درجہ امام مالکؒ کے بعد اسماعیل قاضی کو حاصل ہوا جیسا کہ ابن فرحون نے ذکر کیا ۱ ، باجی یہ کہہ رہے ہیں دوسری طرف ابن عرفہ اپنے بعض اساتذہ کے بارے میں اجتہاد کا دعوی کررہے ہیں، یہ باتیں کیسے صحیح ہونگی جبکہ خود ابن القاسم کے بارے میں مالکیہ کا اختلاف ہے کہ امام مالکؒ کے مقلد تھے یا مجتہد فی المذہب؟ پھر وہ بھی پڑھئے جو امام تلمسانی مالکی کے دونوں بیٹے ابو زید اور ابوموسی کے تذکرہ میں لکھا گیا ہے.

امام نوویؒ نے [تهذيب الاسماء و اللغات] میں امام مزنیؒ کے بارے میں لکھا ہے کہ میرا خیال یہ ہے کہ مزنی کے جتنے اختیارات ہیں وہ سب تخریج ہیں اسلئے ان کو مذہب میں شامل کرینگے کیونکہ وہ امام شافعیؒ کی مخالفت نہیں کرتے، امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کی طرح نہیں ہیں، کیونکہ یہ دونوں حضرات اصول میں بھی اپنے استاذ کی مخالفت کرتے ہیں. اھ

اس سے معلوم ہوا کہ امام مزنی نووی کی نگاہ میں مجتہد فی المذہب کے درجہ میں ہیں اور صاحبینؒ مجتہد فی المذہب کے درجہ سے اونچے ہیں، اسلئے کہ امام اعظمؒ سے ان کا اختلاف اصول وفروع دونوں میں ظاہر ہے اگرچہ ہمیشہ اپنے استاد کی طرف اپنے کو منسوب کرتے ہیں تاکہ ان کے عظیم احسان کا شکریہ ادا کریں.

بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ صاحبین کے جتنے اقوال ہیں وہ سب امام صاحب سے سنے ہوئے ہیں، اس پر ہم ایک خاص فصل میں بحث کرنے والے ہیں. دیکھئے ص ۸۹

---

۱ باجیؒ اسماعیل قاضی کو بہت اوپر چڑھا رہے ہیں، دوسری طرف داود ظاہری انکے حق میں نا انصافی کی بات کررہے ہیں . ۱۲ کوثری

(امام ابو یوسفؒ کے بارے میں اہل علم کے تعریفی کلمات)

امام ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں حفاظ حدیث کا تذکرہ کرتے ہوئے امام ابو یوسفؒ کا بھی تذکرہ لکھا ہے، پھر لکھا ہے کہ علم وسرداری میں ان کے بہت سے واقعات ہیں میں نے انکا تذکرہ الگ سے لکھا ہے، ان کے شاگرد امام محمدؒ کا تذکرہ بھی ایک جز میں لکھا ہے.

امام ابو یوسفؒ کے مناقب میں ذہبی کا جز طبع ہو چکا ہے، اس میں امام ذہبی نے ایک عنوان قائم کیا ہے: [ائمہ کا امام ابو یوسفؒ کی تعریف کرنا] اور اس کے تحت اچھے خاصے انکے مناقب ذکر کئے ہیں، لکھا ہے کہ اسد بن فرات نے امام محمدؒ سے نقل کیا کہ امام ابو یوسفؒ بیمار ہوئے تو امام اعظم ابوحنیفہؒ انکی عیادت کو آئے، جب باہر نکلے تو فرمایا کہ اگر یہ جوان انتقال کرگیا تو یہ اس زمین پر سب سے بڑا عالم ہے.

عباس دوری نے امام احمد بن حنبلؒ کا قول نقل کیا کہ جب میں نے حدیث لکھنا شروع کیا تو امام ابو یوسفؒ کے پاس گیا، ان سے حدیث لکھی ۱ پھر بعد میں دوسرے لوگوں کے پاس گیا امام ابو یوسفؒ بنسبت امام ابوحنیفہ اور امام محمدؒ کے ہماری طرف زیادہ مائل تھے.

محمد بن ابراہیم بن ابی داود بُرُلُّسی فرماتے ہیں کہ میں نے یحی بن معین کو یہ کہتے سنا کہ اصحاب الرائے میں امام ابو یوسفؒ سے زیادہ کوئی حدیث کا حافظ اور حدیث میں مضبوط اور صحیح روایت والا نہیں.

عباس دوری نے یحی بن معین کا یہ قول نقل کیا کہ ابو یوسفؒ حدیث اور سنت والے ہیں، محمد بن سماعہ نے یحی بن خالد کا یہ قول نقل کیا کہ ابو یوسفؒ ہمارے یہاں تشریف لائے، ان

---

۱ ان سے تین سال میں تین الماری حدیثیں لکھیں . کوثری

میں جو چیز سب سے کم تھی وہ فقہ تھی، اوراس میں شبہ نہیں کہ انھوں نے اپنی فقہ سے مشرق و مغرب کے درمیان کو بھر دیا (ان کا پورا کلام گزر چکا)

بشر بن ولید نے امام ابو یوسفؒ کا قول نقل کیا کہ مجھ سے سلیمان اعمش نے ایک مسئلہ پوچھا، میں نے جواب دیا، مجھ سے پوچھا تم نے مسئلہ کہاں سے کہا؟ میں نے کہا اس حدیث سے جو مجھ سے آپ نے بیان کی، فرمایا! یعقوب یہ حدیث مجھ کو تمہارے والدین کے جمع ہونے کے پہلے سے یاد ہے لیکن اس کا مطلب ابھی سمجھ میں آیا.

ابن ثلجی نے عبداللہ بن داود خریبی کا قول نقل کیا کہ ابو یوسفؒ علم یا فرمایا: فقہ پر پوری طرح قابو رکھتے ہیں، جس طرح چاہتے ہیں اس کو لیتے ہیں.

عمرو بن محمد ناقد فرماتے ہیں: اصحاب الرائے میں سے کسی سے مجھے حدیث لینا پسند نہیں سوائے ابو یوسفؒ کے، اسلئے کہ وہ سنت والے ہیں.

حنبل نے امام احمد بن حنبل کا قول نقل کیا کہ امام ابو یوسفؒ حدیث میں منصف تھے.

ابو خازم قاضی نے بکر عمی سے، انھوں نے ہلال رائے سے نقل کیا کہ ابو یوسفؒ تفسیر، مغازی اور عرب کے واقعات کے حافظ تھے، ان کا ایک علم فقہ تھا. امام مزنی نے فرمایا: ابو یوسفؒ ان میں (اصحاب الرائے میں) حدیث کا سب سے زیادہ اتباع کرنے والے تھے.

احمد بن عطیہ نے محمد بن سماعہ سے سنا فرمارہے تھے: امام ابو یوسفؒ قاضی ہونے کے بعد روزانہ دو سو (۲۰۰) رکعتیں پڑھا کرتے تھے.

عباس کہتے ہیں: میں نے یحیی بن معین کو سنا فرمارہے تھے کہ امام ابو یوسفؒ محدثین کو پسند کرتے تھے اور ان کی طرف میلان رکھتے تھے.

علی بن مدینی کے بیٹے عبداللہ کہتے ہیں کہ میں نے والد صاحب کو یہ فرماتے سنا کہ ابو یوسفؒ ۱۸۰ھ میں جب بصرہ آئے تو ہم ان کے پاس جاتے تھے، وہ دس حدیثیں بیان کرتے اور دس رائیں، اور غالبًا یہ بھی فرمایا: میں انکی کسی حدیث پر ناراض نہیں ہوا سوائے ایک

حدیث کے [۱] جسکو وہ ھشام بن عروہ سے نقل کرتے ہیں حَجر کے بارے میں اور وہ سچے تھے (یہاں تک ابو یوسفؒ کے مناقب میں ذہبی کے جزو کی بات ختم ہوئی).

حارثی نے اپنی سند سے حسن بن ولید سے نقل کیا ہے کہ امام ابو یوسفؒ جب بات کرتے تو ان کے کلام کی باریکی کی وجہ سے انسان حیرت و تعجب میں پڑجاتا، ایک دن میں نے انکو دیکھا ایک مشکل مسئلہ میں گفتگو کررہے تھے تیر کی طرح اس مسئلہ سے گزر گئے، حاضرین کو ان کا کلام کچھ سمجھ میں نہیں آیا کیونکہ بہت دقیق تھا، ہم کو تعجب ہوا کہ اللہ تعالی نے کس طرح ان کے لئے اس کام کو آسان اور تابع کردیا ہے.

ابوالقاسم شرف الدین بن عبدالعلیم قربتی نے اپنی کتاب [**قلائد عقود العقیان فی مناقب ابی حنیفه النعمان**] کے آخر میں ایک فصل امام ابو یوسفؒ کے فضائل کے لئے خاص کی ہے، اس میں لکھا ہے اور صیمری نے سند سے حسن بن ابی مالک سے نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: میں نے امام ابو یوسفؒ کو سنا فرمارہے تھے کہ جب بھی میں نے نماز پڑھی امام ابو حنیفہؒ کیلئے دعا کی اور مغفرت طلب کی.

اور فرمایا: علی بن صالح جب امام ابو یوسفؒ سے حدیث بیان کرتے تو فرماتے مجھ سے سب سے بڑے فقیہ، قاضیوں کے قاضی اور علماء کے سردار ابو یوسفؒ نے حدیث بیان کی.

بشر بن ولید کے لکھوانے والے نے ایک دن کہدیا: آپ کو یعقوب نے خبر دی، تو فرمایا: تم ان کی تعظیم و تکریم نہیں کرتے؟ میں نے ان جیسا کسی کو نہیں دیکھا (جبکہ ابن ابی ذئب اور شعبہ وغیرہ کو دیکھا تھا)

امام طحاوی سے سند کے ساتھ مروی ہے کہ میں نے ابن ابی عمران کو سنا فرمارہے تھے، علی بن جعد نے ایک دن حدیث لکھوائی، ان کی مجلس لوگوں سے بھری ہوئی تھی، فرمایا: ہم کو

---

[۱] جو شخص التلخیص الحبیر ص ۲۴۹ اور سنن بیہقی ۶/۶۱ کا مطالعہ کرے گا اس کو معلوم ہوگا کہ ابو یوسفؒ اس میں منفرد نہیں. ۱۲ کوثری یہ مسئلہ بالغین پر تصرف کی پابندی لگانے کا ہے.

ابو یوسفؒ نے خبر دی، ایک آدمی نے کہا اے ابوالحسن آپ ابو یوسفؒ کا نام لیتے ہیں؟ علی بن جعد نے سمجھا کہ اس کا امام ابو یوسفؒ کے بارے میں بُرا خیال ہے جو انکی شان کے مناسب نہیں، اس سے فرمایا: جب تم ابو یوسفؒ کا نام لینا چاہو تو اپنے منہ کو اشنان اور گرم پانی سے دُھل لو پھر فرمایا: واللہ میں نے ان جیسا نہیں دیکھا (ابن ابی عمران کا قول گزر چکا ہے، انھوں نے سفیان ثوری، حسن بن صالح، مالک، ابن ابی ذئب، لیث بن سعد اور شعبہ بن حجاج کو دیکھا تھا).

قرتبی نے امام ابو یوسفؒ کے بارے میں یہ بھی کہا کہ ثقہ سچے ہیں، نسائی نے ان کی توثیق کی ہے.

[أخبار القضاة] کے مصنف اور ابن جریر کے ساتھی احمد بن کامل شجری نے فرمایا کہ یحی ابن معین، احمد بن حنبل اور علی بن مدینی سب کا اتفاق ہے کہ امام ابو یوسفؒ نقل میں ثقہ ہیں.

ابن حبان باوجود یکہ ہمارے اصحاب کے بارے میں تیز زبان ہیں اپنی کتاب [كتاب الثقات] میں امام ابو یوسفؒ کے تذکرہ میں لکھتے ہیں: امام ابو یوسفؒ متقن (مضبوط) شیخ تھے، ہم ایسے نہیں ہیں کہ عام لوگوں سے ایسی بات کریں جو جائز نہیں اور کسی انسان پر بیجا جرح کر کے اس پر عیب لگائیں اگرچہ وہ ہمارا مخالف ہو، بلکہ ہم ہر انسان کو اس کا جو حق ہے وہ دیتے ہیں خواہ عدالت ہو یا جرح، تو ہم نے امام ابو یوسفؒ اور امام زفرؒ کو ثقہ لوگوں میں داخل کیا اسلئے کہ ہم کو معلوم ہے کہ یہ لوگ خبروں میں عادل ہیں اور جو لوگ ایسے نہیں انکو ضعیف لوگوں میں شمار کیا اسلئے کہ ہمارے نزدیک صحیح طور پر سے یہ بات معلوم ہے کہ ان سے استدلال صحیح نہیں. اھ

ابن حبان نے پھر امام ابو یوسفؒ اور ان کے بیٹے کی وفات کا تذکرہ کیا اور فرمایا: میں نے ابن قحطبہ کو سنا وہ کہہ رہے تھے کہ میں نے محمد بن صباح کو سنا، ان سے پوچھا گیا کہ آپ نے هشیم سے کیوں نہیں لکھا؟ فرمایا میں جب هشیم کی مجلس سے واپس آیا تو مجھ سے ایک مسئلہ

پوچھا گیا میں اس کا جواب نہیں دے سکا تو میں نے ان کو چھوڑ کر امام ابو یوسفؒ کو لازم پکڑ لیا اور وہ نیک آدمی تھے اور مسلسل روزہ رکھتے تھے. اھ

ثقات ابن حبان ظاہریہ کے کتب خانہ میں محفوظ ہے اس کا نمبر (۱۱۷) ہے.

وکیع قاضی نے [أخبار القضاة] میں حسین بن ابی معشر سے، انھوں نے اپنے والد سے نقل کیا کہ امام ابو یوسفؒ حیرہ میں ابومعشر کے مستملی تھے، ان کی حدیثیں لوگوں کو لکھواتے تھے)، محمد بن اشکاب نے عمر بن حفص بن غیاث سے، انھوں نے اپنے والد سے نقل کیا کہ حجاج بن ارطاۃ ہم کو لکھواتے نہیں تھے، امام ابو یوسفؒ ان سے پوچھا کرتے تھے، جب حجاج چلے جاتے تو لوگ امام ابو یوسفؒ کی طرف بڑھتے وہ زبانی لوگوں کو املاء کرا دیتے، حفص کہتے ہیں کہ میں صرف وہی لکھتا جو میری تختیوں میں آتا.

ابوعبداللہ صیمری نے [أخبار أبي حنيفة و أصحابه] میں اور حافظ ابوالقاسم بن ابی العوام نے [فضائل أبي حنيفة و أصحابه] میں امام ابو یوسفؒ کے مناقب خوب ذکر کئے ہیں، خطیب بغدادی نے بھی، باوجود یکہ ان کو ہمارے اصحاب سے انحراف ہے جیسا کہ میں نے تانیب الخطیب میں ذکر کیا ہے، امام ابو یوسفؒ کے مناقب کو بالکل نظرانداز نہیں کیا ہے بلکہ ان کے اچھے خاصے فضائل طحاوی اور صیمری کی سندوں سے ذکر کئے ہیں، ضعیف سندوں سے جن کا ضعف میں نے کئی جگہ بیان کیا ہے کچھ عیوب اور برائیاں بھی ذکر کی ہیں، اس میں اللہ تعالی سے نہیں ڈرے.

موفق مکی کی [مناقب أبي حنيفة] اور صاحب فتاوی بزازیہ کی [مناقب أبي حنيفة] میں امام ابو یوسفؒ کا تذکرہ تفصیل کے ساتھ کیا ہے، پہلی کتاب میں روایات کی سندیں بھی ہیں، جن کو رجال کا علم ہے وہ ان سندوں کی چھان پھٹک کر سکتا ہے، دوسری کتاب میں سندیں نہیں ہیں اسلئے روایات کا حال معلوم کرنے کیلئے اصول اور مراجع کی طرف رجوع کرنا ضروری ہوگا.

بڑے قاضی ابن ابی العوام کے ثقہ ہونے میں کوئی شبہہ نہیں ہے، انھوں نے مسند ابوحنیفہؒ اور **فضائل أبی حنیفة و أصحابه** لکھی ہے، وہ نسائی اور طحاوی کے بڑے شاگردوں میں سے ہیں، ۲۳۵ھ کے قریب انکی وفات ہوئی، اہل علم انکا تذکرہ ہر طرح کے خیر کے ساتھ کرتے ہیں.

قضاعی اس کتاب کو احمد بن محمد بن عبداللہ بن محمد بن احمد بن یحیی بن حارث سعدی ۱ سے نقل کرتے ہیں، یہ ابن ابی العوام سے مشہور ہیں، یہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں اور والد صاحب ان کے دادا سے جو ابوالقاسم مؤلف کتاب ہیں، اسکی سندیں نہایت صحیح ہیں، اس سے وہی ناواقف ہے جو بڑا جاہل ہے یا دل میں کسی حاجت کی وجہ سے جاہل بنتا ہے، ہم نفسانی خواہش کی پیروی سے اللہ تعالے کی حفاظت میں آتے ہیں.

رازی کی سُداسیات میں اس کتاب کی روایت قضاعی سے ان کی سند کے ساتھ ابن ابی العوام مؤلف کتاب سے مذکور ہے، ذہبی نے امام ابو یوسفؒ کے مناقب میں جو خاص جزء لکھا ہے اس میں کئی فوائد ہیں، ایسا ہی ابو القاسم قرتبی کا تذکرۂ امام ابو یوسفؒ بھی ہے، علامہ نوح بن مصطفی قونوی بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں ان کا بھی امام ابو یوسفؒ کے تذکرہ میں ایک مفید جزء ہے، ایسا ہی زیلعی کا بھی ایک جزء ہے.

امام ابو یوسفؒ کی تعریف میں ائمہ کے اتنے اقوال پر ہم بس کرتے ہیں، اللہ تعالی ان سے راضی ہوں اور ہم کو ان کے علوم سے فائدہ پہونچائیں.

---

۱ یہ احمد بن محمد ثقہ عالم ہیں، ۲۱ رشعبان ۴۰۵ھ بروز اتوار انتقال ہوا، اس کیلئے کندی کی قضاۃ مصر، اور تاج التراجم ص ۹۵ دیکھئے، حافظ ابن حجر نے یہ سمجھا کہ یہی مؤلف کتاب ہیں، مؤلف کتاب انکے دادا ہیں، ان کا تذکرہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں امام نسائی کے تذکرہ میں کیا ہے، یہ احمد اس کتاب کے راوی ہیں. ۱۲ کوثری

امام ابو یوسفؒ کی تصنیفات

امام ابو یوسفؒ کی تصنیفات بہت ہیں، علماء کی کتابوں میں ان کا تذکرہ موجود ہے، لیکن انکی بہت کم کتابیں ہم تک پہونچیں، جو کتابیں ہم تک پہونچیں ان میں ایک **کتاب الآثار** ہے، یہ فقہ کے دلائل میں ہے، اس کا اکثر حصہ امام ابوحنیفہؒ سے مروی ہے ۱، ان کی ایک مسند بھی ہے، کتابوں میں اس کی روایتیں موجود ہیں لیکن ہم کو اس کتاب کا پتہ نہیں.

اختلاف ابن أبی لیلی و أبی حنیفة، کتاب الرد علی سِیَر الأوزاعی، کتاب الخراج یہ کتابیں ہم تک پہونچیں، کتاب الخراج ایک رسالہ ہے جو مال کے احکام سے متعلق ہے، ہارون رشید کی فرمائش پر لکھکر بھیجا تھا، اس کے مقدمہ سے پتہ چلتا ہے کہ وہ حق کے بارے میں کسی کی پرواہ نہیں کرتے تھے، انکے طبقہ میں ایسی کتاب نہیں لکھی گئی، بلکہ یہ کہنا بھی مبالغہ نہیں کہ اس جیسی کتاب ابتک نہیں لکھی گئی، جو اس کتاب کو پڑھے اور اس موضوع پر لکھی گئی دیگر کتابوں کو پڑھ کر اس کے ساتھ مقابلہ کرے اسکو اس کا اعتراف کرنا پڑے گا، اس کی کئی شرحیں لکھی گئی ہیں جو اسکے پوشیدہ نکتوں اور مخفی خزانوں کو ظاہر کرتی ہیں.

امام ابو یوسفؒ کی طرف ایک کتاب مخارج اور حیلوں سے متعلق منسوب کی جاتی ہے ۲ جو مصر کے دار الکتب المصریہ اور اصطنبول کے علی پاشا شہید کے مکتبہ میں محفوظ ہے، اس کو جرمنی کے مستشرق جوزیف شخت نے امام محمد بن حسن کے نام سے شائع کیا ہے.

---

۱ یہ حقیقت میں امام اعظمؒ کی تصنیف ہے، امام ابو یوسفؒ امام اعظمؒ سے اسکو روایت کرتے ہیں، مولانا محمد عبد الرشید نعمانیؒ نے اس کے دلائل ذکر کئے ہیں، دیکھئے ابن ماجہ اور علم حدیث ص ۱۵۸ اور تبییض الصحیفہ للسیوطی ص ۳۶ وھدیۃ الدراری ص ۱۱۵ . ۱۲ فضل الرحمٰن

۲ اس کا بیان مستقل عنوان کے تحت آرہا ہے. ۱۲ مترجم

محمد بن اسحاق ندیم نے فرمایا ہے کہ اصول و امالی میں امام ابو یوسفؒ کی یہ کتابیں ہیں : کتاب الصلوۃ، کتاب الزکوۃ، کتاب الصیام، کتاب الفرائض، کتاب البیوع، کتاب الحدود، کتاب الوکالۃ، کتاب الوصایا، کتاب الصید والذبائح، کتاب الغصب، کتاب الاستبراء، اوران کی املاء بھی ہے جس کو قاضی بشر بن ولید نے روایت کیا ہے، یہ چھتیس (۳۶) کتابوں پر مشتمل ہے جن میں تفریعات ہیں، کتاب اختلاف علماء الأمصار، کتاب الرد علی مالک بن انس، کتاب الخراج جو ہارون رشید کو بھیجی تھی، کتاب الجوامع، یہ یحی بن خالد کیلئے لکھی تھی، چالیس (۴۰) کتابوں پر مشتمل ہے، اس میں لوگوں کا اختلاف بیان کیا ہے اور یہ کہ کون سی رائے مقبول و ماخوذ ہے ۔ اھ

طلحہ بن محمد بن جعفر شاہد کا بیان ہے کہ امام ابو یوسفؒ کا معاملہ مشہور ہے، ان کی فضیلت ظاہر ہے، وہ امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد ہیں، اپنے زمانہ کے سب سے بڑے فقیہ ہیں، ان کے زمانہ میں کوئی ان سے آگے نہیں بڑھ سکا علم، حکم، سرداری اور مرتبے میں انتہاء کو پہونچے ہوئے تھے، امام ابوحنیفہ کے مذہب کے مطابق سب سے پہلے اصول فقہ میں کتابیں لکھیں، مسائل کا املاء کرایا اوران کو پھیلایا، امام ابوحنیفہؒ کے علم کو دنیا میں مشہور کیا، خطیب نے تنوخی سے اس کو نقل کیا، تنوخی نے طلحہ سے ۔

امام ابو یوسفؒ نے اصول فقہ میں سب سے پہلے کتابیں لکھیں امام ابوحنیفہ کے مذہب پر اور امام شافعیؒ نے سب سے پہلے کتابیں لکھیں اصول شافعی پر، ان دونوں باتوں میں کوئی تعارض اور ٹکراؤ نہیں ہے، امام شافعیؒ اپنے متقدمین سے جو انھوں نے اصول کے مسائل اپنی کتابوں میں لکھے ہیں بحث کرتے ہیں اور مناظرہ کرتے ہیں، اس سے پتہ چلتا ہے کہ امام شافعیؒ اپنے مذہب کے مطابق اصول کے پہلے مصنف ہیں (نہ کہ مطلقا)، اس کے باوجود بعض لوگ کوشش کرتے ہیں کہ اس کو باطل کریں کہ امام ابوحنیفہؒ کے مذہب پر پہلے اصول فقہ کی کتابیں لکھی گئیں اوراس کا ایسا مطلب بیان کرتے ہیں جو ممکن نہیں، اگر اسکی تردید ہی

ضروری ہے تو کہہ دیا جائے کہ امام شافعیؒ جن کی تردید کررہے ہیں وہ معتزلہ ہیں، اللہ تعالی حفاظت فرمائے ۔

امام ذہبی نے ابو یعلی موصلی کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ حافظ ابوعلی نے فرمایا: اگر ابو یعلی بشر بن ولید کے پاس امام ابو یوسفؒ کی کتابوں میں مشغول نہ ہوتے تو بصرہ میں سلیمان بن حرب اور ابو ولید طیالسی کو پالیتے. اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام ابو یوسفؒ کی کتابیں بہت زیادہ تھیں، کیونکہ حدیث کے راوی حدیثوں کے سننے اور حاصل کرنے میں بہت تیز رفتار ہوتے تھے، ان میں کتنے ایسے ہیں جنھوں نے صحیح بخاری تین دن میں پوری کرلی، اگر امام ابو یوسفؒ کی کتابیں بہت زیادہ نہ ہوتیں تو ان کی تحصیل اوپر کے دونوں بزرگوں سے ملنے میں حائل نہ ہوتی، ان کو پانے سے ابو یعلی کی سند اونچی ہوجاتی .

امام ابو یوسفؒ کی بعض کتابیں بہت جلدوں میں تھیں جس کی وجہ سے ضائع ہوگئیں، کشف الظنون میں ہے کہ امام ابو یوسفؒ کی امالی تین سو (۳۰۰) جلدوں میں تھی، اگر جلد سے مراد حدیثی جز بھی ہو تب بھی کتاب بہت بڑی ہوگی اس زمانہ کو دیکھتے ہوئے .

قرشی (جن کا ذکر پہلے آیا ہے) کے کلام میں یہ بات مذکور ہے کہ امام ابو یوسفؒ کے مناقب میں یہ بات ہے کہ انھوں نے لمبی لمبی کتابیں لکھی ہیں، ان میں املاء، امالی، ادب القاضی (بشر بن ولید کو املاء کرائی تھی)، مناسک وغیرہ ہیں .

ہم سے شیخ یحیی غزی نے جب شہر زبید میں ۹۰۸ھ میں آئے بیان کیا۔ یہ شیخ یحیی حرم شریف میں حطیم کے کنارے میزاب رحمت کے سامنے وعظ کہا کرتے تھے۔ کہ میں نے امام ابو یوسفؒ کی امالی شام کے شہر غزہ کے ایک مدرسہ میں تین سو (۳۰۰) جلدوں میں دیکھی، ایک صندوق میں الگ رکھی ہوئی تھی۔ اھ

شاید ایک خاص آلماری اس کے لئے رہی ہوگی، جیسا کہ ابن زکون کی کتاب الکواکب الدراری کے ساتھ بھی دمشق کے کتب خانہ ظاہریہ میں ایسا ہی کیا گیا، اس ضخیم کتاب کا ہم کو

کوئی علم نہیں ،شاید یہ کتاب اس سخت تباہ کن لڑائی میں ضائع ہوگئی جس سے مصر کی حکومت چرکسیہ دسویں صدی ہجری میں ختم ہوگئی ،سلف کی ایسی کئی تالیفات ہیں جن میں سے بعض سیکڑوں جلدوں میں ہیں جیسے ابوالوفاء بن عقیل حنبلی کی کتاب الفنون ، ابو یوسفؒ عبد السلام قزوینی کی تفسیر (حدائق ذات بھجہ) ،ابوالحسن اشعری کی تفسیر ، جبائی کی تفسیر ،قاضی عبدالجبار کی تفسیر وغیر ذلک ، ان کتابوں کا آج کہیں پتہ نہیں ، یہ سب لڑائیوں میں ضائع ہوگئیں ، یہ لڑائیاں کچھ باقی نہیں چھوڑتیں .

مشرق کے مغل اور چنگیز خاں کے خاندان نے اسلام لانے سے قبل کتنے مظالم ڈھائے جنکی وجہ سے ہم نے اسلامی مشرق میں اکثر بڑی تصنیفات کھودیں ، اللہ تعالی بعد میں آنے والوں کو سلف کے ترکہ میں سے بدل عطا فرمائے اور جو کچھ باقی رہ گیا ہے اگر اسکو مضبوطی سے پکڑ لیں اور ہدایت حصل کریں تو ہدایت کیلئے کافی اور بے نیاز کرنے والا ہے ، اللہ تعالی ہی ہدایت چاہنے والوں کو ہدایت دینے والے ہیں .

(امام ابو یوسفؒ کے زمانہ میں مختلف فیہ کلامی مسائل میں انکی رائے)

ابن ابی العوام نے محمد بن احمد بن حماد سے نقل کیا ،انھوں نے محمد بن شجاع سے ، انھوں نے حسن بن ابی مالک سے ،انھوں نے امام ابو یوسفؒ سے سنا کہ القرآن کلام اللہ ،قرآن اللہ تعالے کا کلام ہے ، جو اس میں کیوں اور کیسے کا سوال کرے اور بحث و مناظرہ کرے وہ اس لائق ہے کہ قید خانہ میں داخل کیا جائے اور کوڑے سے سخت پٹائی کی جائے .

یہ بھی فرمایا: جو علم کلام کی کوئی بات اچھی سمجھے وہ کامیاب نہیں ہوسکتا ، فرماتے اسکو مجھ سے یاد کرلو .

یہ بھی فرماتے تھے: اگر مجھ سے یہ ہوسکتا کہ میرے پاس اور میرے دل میں جو علم ہے

اس کو میں تم میں تقسیم کردوں تو کر دیتا .

امام ابو یوسفؒ خیر خواہ تھے ،کبھی نہیں سنا کہ علم کلام کی کچھ اجازت دیتے ہوں ، اس سے سخت منع کرتے تھے .

مذکورہ سند سے ابن شجاع سے منقول ہے: کہتے ہیں کہ میں نے حسن بن ابی مالک سے کہا: کیا میں آپ سے نقل کروں کہ امام ابو یوسفؒ کی رائے یہ تھی کہ جو شخص القرآن کلام اللہ سے زیادہ کچھ کہے وہ مار کے ذریعہ سزا کا مستحق ہے؟ تو فرمایا: ہاں ، اسکو مجھ سے نقل کرو ، میں نے امام ابو یوسفؒ کو فرماتے سنا ہے کہ جو شخص قرآن کے متعلق کچھ سوال کرے اس کو سزا دی جائیگی ، میں نے کہا: اے ابو علی ! آپ اس میں امام ابو یوسفؒ کے ساتھ موافقت کرتے ہیں؟ فرمایا: اگر میں ان سے ان کے تمام اقوال میں مخالفت کروں تب بھی اس میں ان کے ساتھ موافقت کروں گا ، میں کسی کو سنوں کہ اس طرح کا سوال کرتا ہو تو وہ برا آدمی ہے اس کا سوال خیر کی طرف نہیں لے جائیگا .

اور محمد بن شجاع کو میں نے سنا فرما رہے تھے کہ میں نے حسن بن ابی مالک اور بشر بن ولید دونوں کو فرماتے سنا کہ ایک آدمی نے نقل کیا کہ امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ قرآن مخلوق ہے ، ہم دونوں انکے پاس گئے اور کہا کہ ہم آپکے خاص اور راز دار لوگ ہیں ، دوسروں سے ایسی باتیں کرتے ہیں جس سے ہمکو منع کرتے ہیں ، فرمایا وہ کیا ہے؟ ہم نے وہ بات نقل کی ، ہم سے فرمایا: پاگلو! یہ اللہ تعالی پر جھوٹ باندھتے ہیں تو میرے اوپر کیوں جھوٹ نہیں بولیں گے ، اور فرمایا: بدعتی لوگ اپنا کلام نقل کرتے ہیں اور لوگوں پر جھوٹ بولتے ہیں .

امام طحاویؒ نے فرمایا: مجھ سے یحیی بن عثمان نے بیان کیا ، انھوں نے ابو ابراہیم (ابن معبد) سے نقل کیا کہ امام ابو یوسفؒ نے اپنے بیٹوں میں سے ایک آدمی کو جو جہمیہ کی رائے کا قائل تھا ۳۵ کوڑے لگائے ، اگر بیٹوں میں سے نہ ہوتا تو اور زیادہ لگاتے ، یہ راوی کا گمان ہے .

امام طحاوی نے علی بن عبد الرحمٰن بن مغیرہ سے روایت کیا، انھوں نے سعید بن دیسم سے، انھوں نے ابراہیم بن جراح سے سنا وہ فرمارہے تھے کہ ہم امام ابو یوسفؒ کے یہاں تھے، ہمارے ساتھ بشر بھی تھے، مجلس میں امام ابو یوسفؒ کے بیٹے یوسف بھی تھے، ایک مسئلہ میں گفتگو ہوئی تو امام ابو یوسفؒ نے اپنے بیٹے سے فرمایا: تم کو اس مسئلہ سے کیا مطلب ہے؟ تم اپنے منقش لباس کی طرف توجہ کرو ۱؎ بیٹے جبہ پہنے ہوئے تھے اور قیمتی لباس.

ابو بکر خصاف احمد بن عمرو بن مہیر نے اپنے والد سے نقل کیا، انھوں نے حسن کو سنا فرمارہے تھے کہ امام ابو یوسفؒ نے فرمایا: تم جتنا علم کلام کے عالم ہوگے اتنا ہی اللہ تعالی سے جاہل ہوگے .

امام طحاوی نے ابن ابی عمران سے، انھوں نے بشر بن ولید سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں میں نے امام ابو یوسفؒ کو فرماتے سنا، جو غریب حدیث کا طالب ہوگا وہ جھوٹ بولے گا، اور جو کیمیاء سے مال طلب کریگا وہ فقیر ہوگا، اور جو کلام سے علم حاصل کرے گا وہ بددین ہوگا.

ابراہیم بن جنید نے علی بن جعد سے نقل کیا، انھوں نے امام ابو یوسفؒ سے سنا فرمارہے تھے۔ جب کہ ان سے ایک آدمی نے سوال کیا کہ کیا آپ اس شخص کی گواہی قبول کریں گے جو یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالی کو کسی چیز کا علم نہیں ہوتا یہاں تک کہ وہ ہوجائے ۔: بے وقوف ! میں اس سے توبہ کراؤں گا اگر توبہ کرلے تو ٹھیک ہے ورنہ اس کو قتل کروں گا .

اسد بن فرات نے امام ابو یوسف سے نقل کیا، فرمایا: دین میں جھگڑا لڑائی اور بحث کو چھوڑو، دین کھلا ہوا ہے، اللہ تعالی نے دین کے فرائض مقرر فرمائے، اس کی سنتیں بھی واضح فرمائیں، حدود بھی متعین فرمائیں، اسکے حلال کو حلال اور حرام کو حرام قرار دیا، اور فرمایا: آج میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو مکمل کردیا اور تم پر اپنی نعمتوں کو تام کردیا اور

۱؎ الدراج: اس نقش ونگار کو کہتے ہیں جو بچوں کیلئے لگایا جاتا ہے تا کہ انکا دل بہلایا جائے. (کوثری)

تمہارے لئے دینِ اسلام کو پسند کرلیا. (مائدہ آیت ۳)

لہذا قرآن کے حلال کو حلال سمجھو اور اس کے حرام کو حرام سمجھو اور قرآن کے محکم پر عمل کرو اور اسکے متشابہ پر ایمان لاؤ اور اسکی مثلوں سے عبرت حاصل کرو، دین میں جھگڑا کرنا اگر اللہ تعالی کے یہاں تقوی اور نیکی کی بات ہوتی تو سب سے پہلے اللہ تعالی کے رسول ﷺ اسکی طرف بڑھتے پھر صحابہ رضی اللہ عنہم آپ کے بعد، تو کیا ان حضرات نے جھگڑا اور لڑائی کی؟

فقہ میں اختلاف ہوا اور بحثیں ہوئیں، فرائض، نماز، حج، طلاق اور حرام وحلال میں اختلاف ہوا، لیکن دین میں جھگڑا اختلاف نہیں ہوا، اسلئے اللہ تعالی سے ڈرتے رہو، اس کی فرمانبرداری کرتے رہو، سنت طریقہ کو لازم پکڑو، وہ سب محفوظ ہے تم کو کچھ کرنا نہیں، بدعتیوں نے دین میں جو اختلاف اور لڑائی جھگڑا نکالا اسکو جانے دو، سنت کی پابندی ان شاء اللہ تعالےٰ سنت پر عمل کرنے والے کیلئے حفاظت ہے .

جس نے سنت طریقہ مشروع فرمایا اس کو زیادہ معلوم ہے کہ سنت کے خلاف طریقہ غلط اور خطأ ہے .

اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا: جب آپ ان لوگوں کو دیکھیں جو ہماری آیتوں میں گھستے ہیں تو ان سے منہ پھیر لیں. (انعام آیت ۶۸) ورنہ آپ لوگ بھی انکی طرح ہوجائینگے. (نساء آیت ۱۴۰)، اگر اللہ تعالی چاہتے تو حجت اور جدال نازل فرماتے، لیکن ایسا نہیں کیا، بلکہ ان کے ساتھ بیٹھنے سے منع فرمایا، ارشاد فرمایا: انکے ساتھ مت بیٹھو یہاں تک کہ وہ اس کے سوا دوسری بات میں مشغول ہوں.(نساء آیت ۱۴۰) اور فرمایا: پھر اگر وہ بحث کریں تو کہہ دیجئے کہ میں اور میرے متبعین اللہ تعالے کے فرمانبردار ہیں. (آل عمران آیت ۲۰) یہ نہیں فرمایا کہ ان سے بحث کریں .

ابراہیم بن جنید نے علی بن جعد سے نقل کیا وہ فرماتے ہیں: میں نے امام ابو یوسفؒ کو سنا ان سے ایک آدمی نے سوال کیا کہ لوگ آپکی طرف سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ان لوگوں کی

گواہی قبول کرتے ہیں جو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو تاویل کے ساتھ گالیاں دیتے ہیں، فرمایا: بے وقوف! میں ایسے شخص کو گرفتار کر کے پٹائی کروں گا یہاں تک کہ توبہ کرے۔

اس طرح کی روایات ابن ابی العوام نے اپنی کتاب میں سند کے ساتھ ذکر کی ہیں۔

عثمان بن حکیم سے روایت ہے کہ ہارون رشید کے یہاں ایک زندیق (بددین) پیش کیا گیا اس نے امام ابو یوسفؒ کو بلایا کہ اس سے بات کریں، امام ابو یوسفؒ نے فرمایا: امیر المؤمنین! تلوار اور چمڑا منگوایئے اور اس پر اسلام پیش کیجئے اگر اسلام قبول کرے تو ٹھیک ہے ورنہ اس کی گردان اڑا دیجئے، اس سے مناظرہ نہیں ہوگا جب کہ ملحد ہوگیا۔ (تاریخ خطیب اور مناقب موفق میں یہ مذکور ہے)۔

امام ذہبی نے اپنے جزء میں علی بن جعد سے نقل کیا ہے، انھوں نے امام ابو یوسفؒ کا قول نقل کیا کہ جو یہ کہے کہ میرا ایمان جبرئیل کے ایمان کی طرح ہے وہ بدعتی ہے۔ اھ

اور وکیع قاضی نے محمد بن اشکاب سے نقل کیا، انھوں نے اپنے والد اور ھیثم بن خارجہ سے، ان لوگوں نے امام ابو یوسفؒ سے کہ: خراسان میں دو فرقے ایسے ہیں کہ زمین پر ان سے بُرا کوئی نہیں: مقاتلیہ اور جھمیہ یعنی مجسمہ اور جبریہ۔

باوجودیکہ امام ابو یوسفؒ سنت میں پکے ہیں اور سنت کو مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہیں، اور بدعتیوں کے بارے میں بہت سخت ہیں پھر بھی آپ کچھ ناقلین کو پائیں گے کہ انکا جی نہیں مانتا وہ امام ابو یوسفؒ کی بُرائی کرتے ہیں اور ان پر جہمی یا مرجئی ہونے کا الزام لگاتے ہیں حالانکہ وہ بدعتوں سے بالکل بری ہیں، اور جس ارجاء کی ان کی طرف نسبت کی جاتی ہے وہ خالص سنت ہے، تانیب الخطیب میں ہم نے اس کی وضاحت کی ہے، بلکہ امام ابو یوسفؒ کے مذہب کی مخالفت خوارج یا معتزلہ کے مذہب میں داخل کر دیگی اس کے نزدیک جو بات کو غور سے سنے اور محفوظ رکھے۔

میں یہاں عقیلی جیسے لوگوں کی بات ذکر نہیں کرتا جن کا عقلی توازن رجال کے پرکھنے میں

کھویا ہوا ہے، **بلوغ الأماني**، **تانيب الخطيب** اور **نصب الرايه** کے مقدمہ میں جو میں نے ذکر کیا ہے وہ کافی ہے، اسی طرح امام ابو یوسف رحمہ اللہ ورضی عنہ وارضاہ کے مناقب میں ذہبی نے جو جزء لکھا ہے اس کے حواشی میں بھی کچھ باتیں ذکر کی ہیں، یہ سب کافی ہیں، دہرانے کی ضرورت نہیں۔ **واللّٰهُ الهَادِي لِلصَّواب**

امام ابو یوسفؒ کا امام مالکؒ سے ملنا

امام ابو یوسفؒ کی ملاقات امام دار الہجرۃ مالکؒ سے ہارون رشید کے ساتھ حج کے سال ہوئی، اس کو وکیع قاضی نے أخبار القضاۃ میں اور ابن ابی عوام نے اپنی کتاب میں جس کا ذکر ہو چکا اور ابن عساکر نے کشف المغطی میں ذکر کیا ہے۔

یہ مشہور ہے کہ امام ابو یوسفؒ نے ہارون رشید کے ساتھ جب حج کیا تو اس سے کہا کہ مجھ کو امام مالک سے ملایئے میں ان سے مناظرہ کروں گا اس مسئلہ میں کہ ایک گواہ اور مدعی کی قسم سے فیصلہ ہوسکتا ہے؟ جیسا کہ امام مالکؒ کا مذہب ہے، امام مالک نے انکار کیا اور مغیرہ مخزومی یا عثمان بن کنانہ اپنے شاگرد کو اپنا نائب بنا دیا کہ ان سے مناظرہ کرلو، امام ابو یوسفؒ نے شہادت کی آیات پڑھیں اور فرمایا: سنتے نہیں کہ اللہ تعالی نے یا تو دو گواہ کو ذکر کیا یا چار کو اور آنحضرت ﷺ سے یہ صحیح ثابت نہیں کہ آپ نے ایک گواہ اور مدعی کی قسم سے فیصلہ کیا، اس حدیث کا مدار سہیل پر ہے اس کو وہ صالح سے نقل کرتے ہیں پھر سہیل خود اسکو بھول گئے، اس کے بعد اسکو اس طرح نقل کرنے لگے کہ ربیعہ نے اس کو مجھ سے بیان کیا، مجھ سے نقل کر کے، جب سہیل اس کو بھول گئے تو خبر کا اعتبار نہیں رہا، باطل ہوگئی، مغیرہ نے کہا: جب آنحضرت ﷺ نے اس کا فیصلہ کیا اور علیؓ نے اور فلاں نے (تو آپ کیوں نہیں مانتے؟) ابو یوسفؒ نے فرمایا میں قرآن سے آپ سے بات کر رہا ہوں اور آپ مجھ سے لوگوں کے

افعال کی بات کر رہے ہیں، کیا آپ مجھ کو بتانا چاہتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے یہ فیصلہ کیا ۱؎ (کیا مجھے معلوم نہیں؟) مغیرہ نے کہا: کیا آپ اس نبی ﷺ پر ایمان رکھتے ہیں جس نے ایک گواہ کے ساتھ قسم پر فیصلہ کیا یا اسکے ساتھ کفر کرتے ہیں؟ امام ابو یوسفؒ خاموش ہوگئے. اھ

ابن عبد البر کی الانتقاء کے حاشیہ میں میں نے اشارہ کیا کہ ایسے مناظِر کے سامنے امام ابو یوسفؒ کو خاموش ہی ہو جانا چاہئے تھا.

امام محمدؒ نے مؤطاً میں ہمارے دلائل تفصیل سے بیان کئے ہیں، **النکت الطریفہ** میں میں نے اپنے ائمہ کے دلائل کی طرف پورا اشارہ کیا ہے، ساتھ ہی بڑے بڑے مالکیہ کی ایک جماعت کا تذکرہ کیا ہے جنھوں نے اس مسئلہ میں امام مالکؒ سے اختلاف کیا ہے.

ابن ابی العوام کی کتاب میں طحاوی سے روایت ہے، ان سے ابن ابی عمران نے بیان کیا، ان سے علی بن صالح اور بشر بن ولید نے، دونوں نے امام ابو یوسفؒ سے، وہ فرماتے ہیں کہ میں مدینہ پہونچا تو وہاں ایک قابلِ اعتماد آدمی نے مجھے ایک صاع دِکھایا اور کہا کہ یہ آنحضور ﷺ کا صاع ہے، میں نے اس کا اندازہ کیا تو پانچ رطل اور ایک تہائی کا تھا، ابن ابی عمران کہتے ہیں کہ یہ دِکھانے والے امام مالکؒ تھے. اھ
ہم نے احقاق الحق میں اس پر تفصیلی بحث کی ہے.

وقف کے بارے میں طحاوی نے عیسیٰ بن ابان سے نقل کیا کہ امام ابو یوسفؒ جب کوفہ سے بغداد آئے تو اوقاف کی بیع میں امام ابو حنیفہؒ کے مذہب پر تھے، یہاں تک کہ ان سے اسماعیل بن علیہ نے ابن عون سے نقل کیا، انھوں نے نافع سے، انھوں نے ابن عمرؓ سے کہ حضرت عمرؓ نے خیبر کا اپنا حصہ صدقہ کیا (یعنی اس طریقہ پر کہ اس کی بیع نہیں ہوگی،

۱؎ امام ابو یوسفؒ کو حضرت علیؓ اور قاضی شریح کے قضایا کا کافی علم تھا جیسا کہ پہلے گزرا، اسلئے علی کرم اللہ وجہہ کے قضایا بتا کر حجت قائم کرنے سے انکار کیا. ۱۲ کوثری

نہ اس کا ہبہ ہوگا، اس کا نفع تقسیم ہوگا.۱۲ مترجم)، تو فرمایا اس کی مخالفت کی گنجائش نہیں، امام ابو حنیفہؒ کو یہ بات پہونچتی تو اس کے قائل ہوتے اور اس کے خلاف نہ کہتے.

طحاوی نے بکار بن قتیبہ سے نقل کیا کہ امام ابو یوسفؒ ہارون کے ساتھ جب حج کرتے ہوئے بصرہ آئے تو اوقاف کی بیع کے جواز میں امام ابو حنیفہؒ کے مذہب پر تھے، بصرہ میں جب کوئی اچھی زمین دیکھتے تو پوچھتے تو انکو بتایا جاتا کہ یہ کسی صحابی کی وقف کی ہوئی زمین ہے تو اس سے ان کے دل میں کچھ شبہہ پیدا ہوا، پھر مدینہ گئے اور وہاں صحابہؓ کرام کے صدقات (اوقاف) دیکھے، پھر بغداد آئے تو ان کے دل سے اوقاف کی بیع کا سارا خیال نکل گیا. اھ

امام ابو یوسفؒ کو اسد بن فرات نے مؤطاً کا ایک نسخہ دیا تھا، اس طرح امام ابو یوسفؒ مؤطاً کو جانتے تھے، امام محمدؒ فرماتے تھے یہ علم کو سونگھنا ہے، یعنی سفر کر کے امام مالکؒ کے پاس گئے نہیں، امام محمدؒ گئے تھے اور مؤطاً کو امام مالکؒ سے سنا تھا جیسا کہ مشہور ہے، لیکن امام ابو یوسفؒ کو مؤطاً کی اتنی ضرورت نہیں تھی جتنی امام محمدؒ کو تھی اسلئے کہ امام ابو یوسفؒ کو آثار و احادیث کی وسیع معلومات تھی.

وکیع قاضی نے **أخبار القضاۃ** میں احمد بن اسماعیل سہمی سے نقل کیا، انھوں نے مُطرّف اصم سے کہ امام ابو یوسفؒ ہارون رشید کے ساتھ مدینہ آئے تو امام مالکؒ کے پاس امیر المؤمنین کے حکم سے پیغام بھیجا کہ تشریف لائیے، امام مالکؒ نے جواب لکھا میں بیمار آدمی ہوں، امیر المؤمنین کوئی کام چاہتے ہوں تو مجھے لکھیں میں کرونگا، ہارون کا ارادہ ہوا کہ لکھیں لیکن امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ آدمی بھیج کر بلوائیں، چنانچہ آدمی بھیج کر بلوایا، آئے، مروان کے گھر میں ہر انسان کیلئے بیٹھنے کی جگہ بنی ہوئی تھی، امام مالکؒ کیلئے بھی بنی ہوئی تھی، امام اپنی جگہ بیٹھے، امام ابو یوسفؒ نے ان سے سوال کیا کہ کسی نے قسم کھائی کہ میں کبھی نفل نہیں پڑھوں گا، اس کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ امام مالکؒ نے فرمایا: اس کو قید کیا جائے اور

مارا جائے یہاں تک کہ پڑھے، ہارون رشید آئے تو امام ابو یوسفؒ نے فرمایا: امیر المؤمنین! میں نے امام مالکؒ سے یہ مسئلہ پوچھا تو انھوں نے یہ جواب دیا، ہارون نے مالکؒ سے پوچھا ابوعبداللہ! کیا آپ کی یہ رائے ہے؟ فرمایا نہیں، امام ابو یوسفؒ نے فرمایا: کیا آپ نے مجھے یہ فتوی نہیں دیا تھا؟ فرمایا: کیوں نہیں، (دیا تھا، لیکن ابو یوسف عراقی آدمی ہے، میں اگر اس کو نفل چھوڑنے کی اجازت دوں تو وہ لوگوں کو فرض چھوڑنے کا فتوی دے گا، آپ کے بارے میں یہ خطرہ نہیں، امام مالکؒ جب باہر جانے کیلئے نکلے تو امام ابو یوسفؒ ان پر سہارا دے کر (بیماری کی وجہ سے) نکلے، امام مالکؒ فرما رہے تھے کہ لوٹ جایئے حتی کہ ان کو ان کی جگہ تک پہونچایا.

محمد بن اسماعیل سلمی اور محمد بن عباس کابلی سے مروی ہے: یہ لوگ عبدالعزیز بن عبداللہ اویسی سے نقل کرتے ہیں، وہ امام مالکؒ سے، فرمایا: مجھے خبر ملی ہے کہ ابو یوسفؒ کے پاس ایک آدمی آیا اور یہ کہا کہ میں نے اپنی بیوی کی طلاق کے ساتھ قسم کھائی ہے کہ جاریہ ضرور خریدونگا، اور یہ میرے لئے مشکل ہے، اسلئے کہ بیوی سے مجھے بہت تعلق ہے، اور اس کا میرے نزدیک بڑا درجہ ہے، امام ابو یوسفؒ نے کہا: ایک کشتی خریدلو، وہ بھی جاریہ ہے، (جاریہ کا معنی لونڈی بھی ہوتا ہے اور کشتی بھی. ١٢ مترجم)

لیکن امام مالکؒ تک بات پہونچانے والے نے اچھی طرح بات محفوظ نہیں کی، سوال یہ تھا کہ کسی کو قسم دی جارہی ہے کہ جاریہ نہیں خریدوگے، (مثلا بیوی شوہر سے مطالبہ کررہی ہے کہ کہو اگر جاریہ خریدوں تو میری بیوی کو طلاق) تو امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ یہ جملہ کہدو لیکن جاریہ بولتے ہوئے کشتی کا معنی مراد لو، تو باندی خریدنے سے بیوی کو طلاق نہیں ہوگی.

ابن عدی نے فرمایا کہ سہی (جو پہلی روایت میں ہے) مالک وغیرہ سے باطل چیزیں نقل کرتا ہے، اور مطرف کی حدیثیں مضطرب ہوتی ہیں، اور سلمی کے بارے میں لوگوں کو کلام ہے، ابن ابی حاتم نے یہ نقد کیا ہے، اور کابلیؔ ابن المناوی کے نزدیک پسندیدہ نہیں ہے،

عبدالعزیز کی صرف ابو داود نے تضعیف کی ہے، اور خبر بھی بلاغات میں سے ہے، (معلوم نہیں کس نے خبر پہونچائی).

امام ابو یوسفؒ کا محمد بن اسحاقؒ سے مغازی اور سیَر کو حاصل کرنا

اہلِ علم کو معلوم ہے کہ امام ابو یوسفؒ کو مغازی اور سیَر کا وسیع علم تھا، اس سے پہلے ہلال ابن یحی کا کلام گزر چکا ہے کہ امام کو مغازی یاد تھے، امام ابو یوسفؒ علوم کو اچھی طرح جمع کرتے تھے، ان کی طبیعت اس سے انکار کرتی تھی کہ کسی علم میں کمی ہو، محمد بن اسحاق جب کوفہ آئے تو امام ابو یوسفؒ ان کے ساتھ لگ گئے یہاں تک کہ جو کچھ ان کے پاس تھا سب حاصل کرلیا، اس کی وجہ سے ایک مدت کیلئے امام ابوحنیفہؒ کی مجلس سے غائب بھی ہو گئے تھے، بلکہ واقدی سے بھی مدد لینے سے انکار نہیں ہوا، جب ہارون رشید کے ساتھ حج کو آئے تو شام کو واقدی کے ساتھ جاکر مدینہ منورہ کے تاریخی مقاماتِ قدیمہ کو دیکھ لیا اور دوسرے دن ہارون کو دکھلا دیا، اسی وجہ سے واقدی عراق آگئے، ان کو چونکہ ابتدائی زمانہ کی خبریں خوب معلوم تھیں اسلئے یہاں انکو ہر طرح کا خیر ملا، باوجودیکہ محمد بن اسحاق اور واقدی دونوں ایسے ہیں جن کے بارے میں لوگوں کو کلام تھا، امام مالکؒ ابن اسحاق کو پسند نہیں کرتے تھے بلکہ ان میں سخت کلام کرتے تھے [1] ابن اسحاق امام ابوحنیفہؒ کے یہاں بھی پسندیدہ نہیں تھے.

ابن رجب نے علل ترمذی کی شرح میں لکھا ہے کہ محمد بن اسحاق کی طرف کئی بدعتیں منسوب کی جاتی ہیں، یہ بات طے ہوئی کہ ان سے مغازی کو کچھ شرطوں کے ساتھ لیا جائیگا، اور انکا عنعنہ قبول نہیں ہوگا، اسلئے کہ وہ بہت تدلیس کرتے ہیں، میں نے طبقات ابن سعد

---

[1] وہ بھی کچھ لوگوں میں کلام کرتے اور کچھ لوگ بھی انمیں کلام کرتے تھے. تاریخ خطیب ١/٢٢٣، جامع بیان العلم ٢/١٦٠ (کوثری)

کے مقدمہ میں واقدی کے بارے میں تفصیلی کلام کیا ہے ۔

کہا جاتا ہے کہ امام مالکؒ نے محمد بن اسحاق کے بارے میں سخت کلام اسلئے کیا تھا کہ ابن اسحاق نے امام مالکؒ کے نسب میں اعتراض کیا تھا، سعد بن ابراہیم کے بارے میں بھی یہی کہا جاتا ہے، میں یہ نہیں سمجھتا کہ یہ بات صحیح ہوگی اسلئے کہ ائمہ دین کو زبان و دل کے لحاظ سے بہت پاک صاف ہونا چاہئے، وہ اس سے برتر ہیں کہ اس سطح پر اتر آئیں، پھر بھی انسان پر کبھی نفسیاتی ایسا اثر پڑ جاتا ہے جس سے اس طرح کی باتیں ان کی زبان سے نکل جاتی ہیں لیکن جلد ہی وہ اس سے توبہ بھی کر لیتے ہیں ۔ واللہ اعلم

موفق مکی نے محمد بن موسی حاسب کے طریق سے ذکر کیا ہے، انکو اسحاق بن ابی اسرائیل نے بتایا کہ امام ابو یوسفؒ ان سے بیان کر رہے تھے کہ میں امام ابو حنیفہؒ کے پاس جایا کرتا تھا لیکن مشائخ سے حدیث بھی سنا کرتا تھا، محمد بن اسحاق صاحب المغازی کوفہ آئے تو ہم لوگ ان کے پاس جمع ہوئے اور ان سے درخواست کی کہ ہم کو کتاب المغازی سنائیں، انھوں نے اس کو قبول کیا، میں نے امام ابو حنیفہؒ کے پاس جانا چھوڑ دیا اور کئی مہینہ تک محمد بن اسحاق کے ساتھ رہا حتی کہ ان سے ان کی کتاب سن لی، جب فارغ ہوا تو امام ابو حنیفہؒ کی خدمت میں حاضر ہوا، مجھ سے فرمایا: یعقوب! یہ بے وفائی کیا؟ میں نے کہا بے وفائی نہیں، لیکن محمد ابن اسحاق مدینی یہاں آئے ہیں تو ان سے کتاب المغازی سننے میں مشغول ہوگیا، مجھ سے فرمایا: یعقوب جب ان کے پاس جاؤ تو پوچھنا کہ طالوت کے لشکر میں آگے کون تھا اور کس کے ہاتھ میں جھنڈا تھا؟ میں نے کہا: ابو حنیفہ! اسکو چھوڑیئے، خدا کی قسم آدمی کیلئے بری بات ہے کہ علم کا دعوی کرے اور اس سے پوچھا جائے کہ بدر پہلے ہوا یا احد؟ اور وہ جواب نہ دے سکے ۔ اھ

اس گفتگو میں کوئی اشکال نہیں اسلئے کہ امام ابو یوسفؒ پر کوئی ملامت نہیں اگر وہ محمد بن اسحاق جیسے آدمی کے پاس مغازی کا جو علم تھا اسکو پورا حاصل کرنے گئے اور امام ابو حنیفہؒ

پر بھی کوئی اعتراض نہیں اگر وہ محمد بن اسحاق کے مغازی کے علم پر مطمئن نہیں، کیونکہ انھوں نے مغازی کا علم شعبی جیسے شخص سے لیا تھا جن کے مغازی کے علم کی وسعت کا اعتراف حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ جیسے صحابی کے یہاں ہوتا تھا، اگر چہ شعبی مغازی کیلئے خاص نہیں تھے، مذکورہ روایت میں کسی جانب کوئی اشکال نہیں جیسے سند میں بھی کوئی کلام نہیں ۔

لیکن ابن خلکان نے معافی جریری کی (الجلیس الصالح) سے جو بات سند حذف کر کے ذکر کی ہے وہ خیانت اور دھوکہ ہے، اگر سند ذکر کرتے تو پڑھنے والا دیکھتا کہ اس کی سند میں جھوٹا راوی ہے جس کا حال ظاہر ہے پھر اس روایت کو پھینک دیتا جیسا کہ گھڑی ہوئی باتوں کو پھینک دیتے ہیں ۔

الجلیس الصالح کی بات سند کے ساتھ ۵۳ ویں مجلس میں اس طرح ہے: ہم سے محمد بن حسن بن زیاد مقری نے بیان کیا، ان سے محمد بن خزیمہ نے نیشاپور میں بیان کیا، انھوں نے مزنی سے، انھوں نے امام شافعیؒ سے نقل کیا کہ امام ابو یوسفؒ محمد بن اسحاق یا کسی اور سے مغازی سننے کیلئے گئے اسلئے چند دن امام ابو حنیفہؒ کی مجلس میں نہیں گئے، جب حاضر ہوئے تو امام ابو حنیفہؒ نے پوچھا: اے ابو یوسف! جالوت کا جھنڈا کس کے پاس تھا؟ امام ابو یوسفؒ نے فرمایا: آپ امام ہیں اگر اس کی طرح کی بات کرنے سے نہیں رکیں گے تو میں آپ سے بخدا سب کے سامنے پوچھوں گا کہ بدر پہلے ہوا تھا یا احد؟ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ کون سا غزوہ پہلے ہوا تھا؟ ابو حنیفہؒ خاموش ہوگئے [۱]

دونوں روایتوں میں کھلا ہوا فرق ہے، جھوٹ بولنے والے خبیث ایسا ہی کیا کرتے ہیں، واقعہ میں جو چاہتے ہیں بڑھا دیتے ہیں ۔

---

۱ یہ عبارت میرے لئے استاذ بحاثہ سید محمد حزمی نے اس نسخہ سے نقل کی جو استنبول میں اسکدار میں حاجی سلیم کے کتب خانہ میں محفوظ ہے ۔ کوثری

الجلیس الصالح والے کی روایت گھڑی ہوئی خالص جھوٹ ہے، حالات اس کو جھوٹ بتاتے ہیں، اسلئے کہ امام اعظمؒ نے اپنی مسند میں اپنے شاگردوں سے بیان کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیوان میں جو وظائف مقرر کئے ان میں اصحاب بدر کو بعد کے غزوات میں شرکت کرنے والے صحابہ پر ترجیح دی .

اور امام صاحب رات دن کے ختم قرآن میں **و لقد نصر کم الله ببدر و أنتم أذلة** (آل عمران آیت نمبر۱۲۳) والی آیت پڑھا کرتے تھے، اور مشہور ہے کہ یہ آیت احد میں نازل ہوئی، اس کو چھوٹے اہل علم بھی جانتے ہیں، بھلا امام الائمہ اور فقہاء امت کے شیخ نہیں جانیں گے .

امام صاحب ہی نے اپنے شاگردوں کو کتاب **السیر الصغیر** لکھوائی، جس کی تردید امام اوزاعیؒ نے کی تو امام ابو یوسفؒ نے امام اوزاعی کی تردید کیلئے اپنی مشہور کتاب (**الرد علی سیر الاوزاعی**) لکھی، تو کیسے ممکن ہے کہ امام ابو یوسفؒ کے خیال میں امام ابوحنیفہؒ کو اس سے جاہل سمجھا جائے کہ بدر پہلے ہوا تھا یا احد؟ یہ تو ایسی بات ہے کہ صرف مکتب کے بعض بچے ہی جاہل ہوں گے، یا کیسے گمان کیا جائے کہ امام ابو یوسفؒ اپنے استاذ امام ابوحنیفہؒ کی شان میں ایسی گستاخی کریں گے جب کہ امام ابو یوسفؒ ہر طرح سے ان کی تعظیم و تکریم کیا کرتے تھے، اور یہ بات مشہور ہے کیونکہ امام صاحب نے ان کی طالب علمی میں ان پر مال خرچ کیا تھا اور ان پر احسان کرکے ان کی تربیت کی تھی، امام ابو یوسفؒ زندگی بھر ان کے احسان عظیم کا شکریہ ادا کرتے رہے تھے، یہ بات بہت مشہور و معروف ہے .

لیکن ابن خلکان کو اس میں مزہ آتا ہے کہ اس امام الائمہ (ابوحنیفہ) کے بارے میں کسی کمزور ماخذ سے کچھ مل جائے تو اس کو لکھ ماریں، وہ اس سے بھی پرہیز نہیں کرتے کہ حماد سے سیسہ کے لوٹوں کا افسانہ ذکر کریں، جس کا حال بالکل واضح ہے .

اسی طرح قفال کی نماز کا قصہ ہے، جس کے موضوع ہونے میں صرف انہی کو شک ہوگا

جن کے دلوں پر تالے لگے ہوئے ہیں، دوسری طرف ایسی باتوں کو نقل کرنے سے پرہیز کرتے ہیں جن سے انکے امام پر کوئی داغ آئے .

الجلیس الصالح کے مصنف وہی صاحب ہیں جو نقل کرتے ہیں کہ مامون نے امام شافعیؒ کو حکم دیا کہ بیس (۲۰) رطل نبیذ پی جائیں، چنانچہ پی گئے اور عقل میں کوئی تغیر نہیں ہوا، جیسا کہ لسان المیزان میں ہے، واقعہ یہ ہے کہ امام شافعیؒ مامون کے ساتھ اسکی حکومت کے زمانہ میں کبھی جمع ہی نہیں ہوئے .

ابن خلکان اگر سند ذکر کردیتے تو ان کی ذمہ داری ختم ہوجاتی اور سب کو معلوم ہوجاتا کہ اس کی سند میں جھوٹا مشہور آدمی ہے جس نے یہ روایت گھڑی ہے، لیکن انھوں نے بڑے جھوٹ کو اپنے سر پر لے لیا اور یہ کھلی ہوئی ذلت ہے .

معافی جریری نقل میں محتاط آدمی نہیں ہے، ان کی کتاب میں صحیح غلط ہر طرح کی باتیں ہیں، دلچسپ قصے اور ہنسانے والے انوکھے واقعات ہیں، اگرچہ بڑے ائمہ میں سے سب سے بڑے امام کے بارے میں کیوں نہ ہو سب سے ضعیف سند کے ساتھ جیسا کہ غیر محققین کی ادب کی کتابوں کا حال ہے .

یہاں قصہ کی سند میں محمد بن حسن بن زیاد مقری ہے جس کو نقاش کہتے ہیں، جھوٹ میں مشہور ہے، تفسیر میں اس کی ایک کتاب ہے اس کا نام **شفاء الصدور** ہے، اس کا تذکرہ خطیب کی تاریخ، میزان الاعتدال (للذہبی) اور لسان المیزان (للحافظ ابن حجر) میں دیکھنا چاہئے، طلحہ بن محمد شاہد فرماتے ہیں کہ نقاش حدیث میں جھوٹا ہے اس پر قصوں کا غلبہ ہے. اھ

برقانی کا کہنا ہے کہ نقاش کی سب حدیثیں منکر ہیں اسکی تفسیر میں کوئی صحیح حدیث نہیں.

لالکائی نے کہا: اس کی کتاب اشفاء الصدور ہے (یعنی سینوں کو ہلاکت کے قریب کرنے والی) نہ کہ شفاء الصدور، خطیب نے کہا اس کی حدیثوں میں منکر روایتیں ہیں مشہور سندوں سے، ذہبی نے فرمایا یہ بڑا جھوٹا ہے، علامہ دانی نے اسکی تعریف کی ہے (لیکن یہ معتبر نہیں)

کیونکہ دانی اس سے بہت دور تھے، اسلئے ان کو اس کے احوال کی صحیح خبر نہیں تھی، جن کا علم اہل نقد کو تھا .

یہ تھا ان لوگوں کا برتاؤ ائمہ کے امام کے ساتھ، اس میں بہت عبرتیں ہیں .

کیا امام شافعی امام ابو یوسف سے ملے تھے ؟ رضی اللہ عنہما

ایک زمانہ میں ہونے کے لحاظ سے ممکن ہے کہ امام شافعیؒ امام ابو یوسفؒ سے ملے ہوں، ابو مؤید خوارزمی کی [جامع المسانید] میں بغیر سند کے مذکور ہے کہ امام اشافعیؒ نے امام ابو یوسفؒ سے نبیذ کے بارے میں سوال کیا تھا، لیکن حسن بن ابی مالک اس میں راوی کی طرح مذکور ہیں، ان کے بارے میں معلوم نہیں کہ وہ امام شافعیؒ کے شاگرد ہیں، امام شافعیؒ کے مناقب کی کتابوں میں ان کا ذکر نہیں، جب کہ وہ کتابیں امام شافعیؒ کے تمام اساتذہ [1] کا بالاستیعاب تذکرہ کرتی ہیں، دوسری طرف مشائخ روایت جزم کے ساتھ یہ کہتے ہیں کہ یہ دونوں ائمہ کبھی جمع نہیں ہوئے، اگر سند مذکور ہوتی تو اس پر اعتماد کیا جاتا، لیکن ہم کہتے ہیں کہ ملاقات ممکن ہے اگرچہ اس روایت کے سوا کسی روایت میں اس کا ذکر نہیں .

ایک احتمال یہ بھی ہے کہ اصل میں یوسف رہا ہو، ابو کا لفظ غلطی سے زیادہ ہو گیا ہو، اور یہ یوسفؒ یوسف بن خالد سمتی ہوں جو امام شافعیؒ کے استاذ ہیں بالاتفاق .

کچھ غلط روایتیں : ابن الجوینی نے یہ دعوی کیا ہے کہ امام شافعیؒ کا امام ابو یوسفؒ سے مدینہ منورہ میں ہارون رشید کے سامنے کئی مسائل میں مناظرہ ہوا اور مکہ مکرمہ میں ایک مسئلہ

---

[1] ایسے ہی کتاب میں صرف اساتذہ کا ذکر ہے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اساتذہ اور تلامذہ دونوں ہو تا کہ بات منطبق ہو . فضل

میں، اپنی دونوں کتابوں میں اس کو ذکر کیا : **مغیث الخلق** اور **المستظهری**، یہ دعوی صحیح نہیں ہے ہم نے اپنی کتاب [**احقاق الحق**] میں اس کے غلط ہونے کی وجوہ بیان کر دی ہیں، دوبارہ ذکر کرنے کی ضرورت نہیں، اس کا غلط ہونا بالکل ظاہر ہے .

اور یہ دعوی بھی صحیح نہیں کہ ۱۸۴ھ میں جب کہ امام شافعیؒ عراق روانہ ہو رہے تھے، یہ دونوں رشید کی مجلس میں جمع ہوئے تھے، اس سفر کو عبد اللہ بن محمد بلوی اور احمد بن موسی نجّار نے بیان کیا ہے، اسلئے کہ اسکے دو سال قبل امام ابو یوسفؒ کا انتقال ہو چکا تھا، اور دوسری ترقی سے قبل کوئی روانگی نہیں ہوئی تھی، اسلئے یہ ممکن نہیں کہ دونوں جمع ہوں اور امام ابو یوسفؒ کو مجلس سے ٹانگ پکڑ کر نکال دیا جائے، جیسا کہ بعض لوگ ایسی بیہودہ بات کرتے ہیں .

ایک دوسرا سفر بھی ذکر کیا جاتا ہے جو عجیب وغریب طریقہ پر جوڑ کر بنایا گیا ہے، ان دونوں سفروں کا حال [**بلوغ الأمانی**] میں بیان کر دیا گیا ہے [1]

بلوی کے بیان کا جھوٹا ہونا تو اس طرح ظاہر ہے کہ اس سے دو سال پہلے امام ابو یوسفؒ کا انتقال ہو چکا تھا جیسا کہ گزرا، اور محققین کے نزدیک دونوں کبھی اکٹھا ہوئے ہی نہیں اگرچہ زمانہ ایک تھا، اور امام محمدؒ نے کبھی مظالم کا ساتھ نہیں دیا وہ اس وقت رقہ کے قاضی تھے، انھوں نے ہی امام شافعیؒ کو آزمائش سے بچایا تھا، اور اسکے بعد امام شافعیؒ نے ان سے علم حاصل کیا اور اتنی کتابیں سنیں کہ انکو بختی اونٹ پر لادا جا سکے، اور امام شافعیؒ اس وقت طلب علم اور استفادہ کے درجہ میں تھے، امامت اور پیشوائی کے درجہ میں نہیں تھے، کہ سوچا جائے کہ کوئی حاسد ان سے حسد کرے گا، اور امام شافعیؒ ہمیشہ امام محمدؒ کی اپنے اوپر فضیلت کا اقرار کرتے رہے، اور اجتہاد کا دعوی اور اپنے مذہب پر عمل کی دعوت امام شافعیؒ نے امام محمدؒ کے انتقال کے چھ سال کے بعد بغداد دوسری مرتبہ ۱۹۵ھ میں آنے کے بعد کیا جسکو **بلوغ الأمانی**، **احقاق**

---

[1] (دیکھئے بلوغ الأمانی کا ترجمہ ص ٣٦

الحق اور **تانیب الخطیب** میں وضاحت سے بیان کر چکا ہوں، اسلئے یہ دعوی کہ امام شافعیؒ، امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے ساتھ عراق میں ۱۸۴ھ میں ہارون رشید کی مجلس میں جمع ہوئے اور ان دونوں نے امام شافعیؒ کو قتل کرانے کی ہارون رشید کے یہاں کوشش کی، انتہائی جھوٹ اور بالکل گری ہوئی بات ہے، اگر چہ اس سفر کا تذکرہ آبری، ابونعیم اصفہانی، اور بیہقی جیسے لوگوں نے کیا ہے.

جب ان لوگوں نے ایسی جھوٹی اور کھلی گھڑی ہوئی روایت کے ذکر سے پرہیز نہیں کیا تو کوئی تعجب کی بات نہیں کہ اس سے عبدالملک بن جوینی اور ابو حامد طوسی اور فخر الدین رازی دھوکہ کھائیں اور اپنی کتابوں میں اپنے مذہب کو ترجیح دینے کیلئے اس جھوٹے سفر کا تذکرہ کریں، جب کہ امام ابو حنیفہؒ کے شاگردوں کے خلاف جو کہ ملتِ اسلامیہ کے فقہاء ہیں ان لوگوں کے دلوں میں دشمنی کی آگ جلتی رہتی ہے، جس کی وجہ سے وہ سمجھتے ہیں کہ یہ سارا قصہ صحیح ہے.

اگر یہ سب صحیح ہے جیسا کہ یہ لوگ سمجھتے ہیں تو امام صاحب کے یہ تلامذہ اللہ تعالی کی مخلوق میں سب سے گرے ہوئے لوگ ہوں گے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ لوگ اس خبیث تہمت سے بالکل بَری ہیں، جیسا کہ خود واقعہ ہی اس کی گواہی دیتا ہے اور تاریخ صحیح بھی، اگر چہ ابن الجوینی، غزالی اور فخر الدین رازی اس سے باخبر نہیں ہو سکے، کیونکہ منقولات اور نقل کے رجال کے احوال سے ان کو واقفیت زیادہ نہیں تھی، انکو معقولات اور جدلیات سے زیادہ تعلق تھا، اسلئے اپنے پیش رو کی نقل پر اعتماد کرلیا.

علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں فرمایا: عبداللہ بن محمد بلوی' عمارہ بن زید سے روایت کرتے ہیں دارقطنی نے فرمایا کہ یہ حدیثیں گھڑتے ہیں، ذہبی نے فرمایا: ابوعوانہ نے اپنی صحیح میں استسقاء میں ایک موضوع حدیث ان سے ذکر کی ہے. اھ

حافظ ابن حجرؒ نے لسان المیز ان میں فرمایا: یہی امام شافعیؒ کے سفر کو بیان کرتے ہیں،

اس کو خوب لمبا اور دلچسپ بنایا ہے، اس کی اکثر باتیں گھڑی ہوئی ہیں.

اور امام شافعیؒ کی سیرت [**توالی التأسیس**] میں فرمایا: جو سفر امام شافعیؒ کی طرف منسوب ہے جو عبداللہ بن محمد بلوی کے طریق سے مروی ہے اس کو آبری اور بیہقی وغیرہ نے مختصر و مطول ذکر کیا ہے، فخر الدین رازی نے مناقب امام شافعی میں بغیر سند کے اس پر اعتماد کر کے ذکر کر دیا ہے، یہ جھوٹ ہے اور اس کی اکثر باتیں گھڑی ہوئی ہیں، اور بعض مختلف روایات سے جوڑ کر بنائی گئی ہیں. اھ

امام ذہبی نے فرمایا: احمد بن موسی نجار جنگلی حیوان ہے، اس نے کہا کہ محمد بن سہل اموی نے کہا کہ مجھ سے عبداللہ بن محمد بلوی نے بیان کیا: اس کے بعد امام شافعیؒ کی آزمائش کا قصہ ذکر کیا جو جھوٹ ہے جو غور کرے گا اس کو معلوم ہو جائے گا کہ رسوائی ہے. اھ

ابن حجرؒ نے بھی اس کو لسان المیز ان میں باقی رکھا ہے.

ابن کثیر نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ جن راویوں نے ذکر کیا ہے کہ امام شافعیؒ امام ابو یوسفؒ کے ساتھ جمع ہوئے جیسا کہ جھوٹا محمد بن بلوی امام شافعیؒ کے سفر میں بیان کرتا ہے، اس نے غلطی کی، امام شافعیؒ صرف پہلی مرتبہ بغداد ۱۸۴ھ میں آئے اور صرف امام محمدؒ سے ملے اور امام محمدؒ نے ان کی طرف توجہ کی اور ان کے ساتھ احسان کیا، دونوں میں کوئی دشمنی نہیں تھی، جیسا کہ بعض لوگ جن کو اس واقعہ کی خبر نہیں اس کو ذکر کرتے ہیں. اھ

ان سب کے بعد امام نوویؒ کا یہ کہنا کتنا عجیب ہے کہ امام شافعیؒ کے سفر کے بارے میں ایک تصنیف ہے جو مشہور ہے اور سنی گئی ہے. (**المجموع ۱ / ۸**)

اسی طرح [**تھذیب الاسماء و اللغات** (۱/۹۵)] میں لکھدیا کہ امام ابو یوسفؒ جب ہارون رشید کے پاس سے نکلے تو کسی کو امام شافعیؒ کے پاس بھیجا اور سلام کے بعد کہلوایا کہ آپ کتابیں تصنیف کیجئے، اس وقت آپ ہی کتابوں کے تصنیف کرنے کے زیادہ حقدار ہیں.

یہ کیسی عجیب بات ہے جب کہ فن کے ماہرین نے صاف لکھ دیا ہے کہ امام شافعیؒ امام

ابو یوسفؒ سے نہیں ملے.

سخاوی مقاصد حسنہ میں لکھتے ہیں: اسی طرح یہ کہنا غلط ہے کہ امام شافعیؒ امام ابو یوسفؒ کے ساتھ ہارون رشید کے یہاں اکٹھا ہوئے، امام شافعیؒ ہارون رشید کے یہاں امام ابو یوسفؒ کے انتقال کے بعد پہونچے،، ہمارے شیخ (حافظ ابن حجر) نے فرمایا کہ اور اسی طرح جو سفر ذکر کیا جاتا ہے امام شافعیؒ کا ہارون رشید کی طرف اور یہ کہ امام محمدؒ نے ہارون رشید کو امام شافعیؒ کے قتل پر ابھارا (یہ بھی اسی طرح باطل ہے) . اھ

یہی بات حافظ نے [توالی التأسیس] میں بھی لکھی ہے، اسلئے یہ بات اور وہ بات دونوں امام نووی کی ان غلطیوں میں سے ہیں جو شمار کی جاتی ہیں.

رہے ابن غانم تو وہ روایت کے اہل نہیں ہیں اسلئے ان سے بہت غلطیاں ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں اسلئے ہم ان کا جواب نہیں دیتے .

میرا خیال یہ ہے کہ شروع میں جس نے اس سفر کو گھڑا اسکا مقصد اس سے امام شافعیؒ کی شان کو بڑھانا نہیں تھا، کیونکہ امام شافعیؒ اپنے مرتبہ کی بلندی اور علمی وسعت کی وجہ سے اس کے محتاج نہیں کہ جھوٹے لوگ باتیں بنا کر ان کی مدد کریں، بلکہ اس جھوٹے کا مقصد اس سے حنفیوں اور شوافع کے درمیان جھگڑا لگانا تھا، اسلئے کہ یہی دو بڑی جماعتیں شرق اسلامی میں پائی جاتی تھیں، گھڑنے والے کو معلوم تھا کہ جب اس بری طرح ائمہ کرام رحمہم اللہ کے تقدس پر حملہ ہوگا تو دونوں جماعتوں میں لڑائی جھگڑے اور دشمنی اور عناد پیدا ہوگا، اسلئے اِس قسم کے فتنہ پرداز لوگوں کی کتابوں کو اس اخیر زمانہ میں شائع کرنا جبکہ معلوم ہے کہ یہ واقعات جھوٹے اور گھڑے ہوئے ہیں اس گھڑنے والے اصلی جھوٹے کے جرم سے کچھ کم جرم نہیں ہے، ایسی صورت میں ان ائمۂ ہُدی کی طرف سے پُر زور دلائل کے ساتھ مدافعت کرنا ضروری تھا تا کہ فتنہ پردازوں کا حال معلوم ہوجائے، اللہ سبحانہ وتعالی کی توفیق سے میں نے اس کی کوشش کی اور جھوٹے لوگوں کے جھوٹ کو ایسے واضح دلائل سے ثابت کیا کہ تعصب پسندی

کا گلا گھونٹ دے اور ان کو معلوم ہوجائے کہ فرقہ بندی کیسی خطرناک چیز ہے، اور آئندہ ان کو ائمہ کرام پر حملہ کر کے امت میں افتراق وانتشار پیدا کرنے کی جرءت نہ ہو.

اگر کسی کو ہماری باتوں میں کوئی شبہہ ہو تو اس کو دلیل کے ساتھ ہماری باتوں کو رد کرنے کا حق ہے، ہم پورے وسعتِ قلبی کے ساتھ اسکا استقبال کریں گے اور دلیل کے نتیجہ کو تسلیم کریں گے.

ہاں جو آدمی صرف الفاظ کے لغوی معنی پر اعتماد کرے اور جو روایتیں اس کو پہونچیں انکے ظاہر پر بھروسہ کرے اور ہماری طرف ایسی باتیں منسوب کرے جو ہم نے نہیں کہیں تو اس کو ماننا پڑے گا کہ اسکی معلومات بہت محدود ہیں اور بغیر غور وفکر کئے زیادہ بولنے پر جَری ہے، جو آدمی یہ سمجھتا ہے کہ کسی عالم کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ صرف پیش آنے والے مسائل میں فتوی دیتا ہے (فرضی آئندہ پیش آنے والے مسائل کا جواب نہیں دیتا. مترجم) یہ اس کو غبی بتانا ہے، ایسا آدمی فکر کی سلامتی سے خالی ہے.

اسی طرح ایک شافعی صاحب نے یہ لکھ دیا: کہ تمام مسلمانوں اور عقل رکھنے والوں پر ضروری ہے کہ وہ امام شافعیؒ کی فقہ کو اختیار کریں خواہ مشرق میں ہوں یا مغرب میں، دور ہوں یا قریب، کیونکہ امام شافعیؒ قریشی ہیں اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ ائمہ قریش میں سے ہوں گے. اھ

تو اس کے جواب میں کسی غیر شافعی نے امام شافعیؒ کے نسب میں اختلاف ذکر کیا جو شوافع کی کتابوں میں مذکور ہے، اور حدیث مذکور پر علماء حدیث کا کلام ذکر کیا اور اس کے معنی سے بحث کی تو کہا گیا کہ یہ امام شافعیؒ کے نسب میں طعن اور اعتراض ہے.

یہ کہنے والا بھی صحیح فکر سے محروم ہے، اسلئے کہ نسب پر اعتراض یہ ہے کہ اس میں عیب اور برائی بتائی جائے نہ یہ کہ جو شخص تمام ائمہ متبوعین کی امامت سے انکار کرتا ہے اس کے لئے نسب میں مؤرخین کا اختلاف ذکر کیا جائے.

اگر ایسی غلط بات کہنے والا جوینی کی المغیث کی ص ۱۶ کی بات کو صحیح سمجھتا ہے تو وہ اپنے امام اور تمام ائمہ کرام کی امامت کو رد کرتا ہے، یہی حقیقت میں بکواس ہے، جسکی زبان سب سے مقدس سرزمین پر ایسی زیادتی کی بات کرتی ہے اور گناہوں کی زیادتی سے محفوظ نہیں رہتی اس پر افسوس کا اظہار کرنا چاہئے.

دوستوں کے ساتھ امام ابو یوسفؒ کے واقعات اور محدثین کے ساتھ ان کی مہربانی

ابن ابی عوام نے امام طحاویؒ سے، انھوں نے بکار بن قتیبہ سے، انھوں نے ابوالولید طیالسی سے نقل کیا، وہ فرماتے ہیں کہ جب امام ابو یوسفؒ ہارون رشید کے ساتھ حج کرتے ہوئے بصرہ پہونچے تو ان کے دروازہ پر فقہاء اور محدثین جمع ہوئے اور ہر فریق یہ چاہتا تھا کہ اس کو پہلے داخل ہونے کی اجازت ملے، امام ابو یوسفؒ ان کے سامنے آئے اور کسی جماعت کو اندر آنے کی اجازت نہیں دی اور نہ کسی فریق کو پہلے آنے کی اجازت مانگنے پر ڈانٹا بلکہ دونوں سے فرمایا کہ میں دونوں جماعتوں سے ہوں اسلئے کسی کو دوسرے پر مقدم نہیں کرتا لیکن دونوں فریق سے ایک مسئلہ پوچھتا ہوں جو صحیح جواب دے گا وہ اور اسکی جماعت پہلے آئے گی، پھر اپنے ہاتھ سے انگوٹھی نکالی اور فرمایا: ایک آدمی نے میری یہ انگوٹھی چبا کر توڑ ڈالی، اس پر میرے لئے کیا واجب ہے؟ محدثین نے جواب میں اختلاف کیا اور ان کا جواب امام ابو یوسفؒ کو اچھا نہیں لگا، اصحاب الرائے (فقہاء) میں سے ایک شخص نے کہا: اس پر صحیح انگوٹھی کی قیمت ہے، سونے کے ذریعہ مالک کو ادا کرے گا، اور یہ توڑی ہوئی چاندی اپنے پاس رکھ لے گا، ہاں اگر انگوٹھی کا مالک یہ چاہے کہ یہی چبائی ہوئی انگوٹھی اپنے پاس رکھ لے اور اس کو کسی چیز کا ضامن نہ بنائے تو یہ بھی کرسکتا ہے،

اس جواب کو سن کر امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ اس جواب دینے والے کی جماعت آجائے، چنانچہ اصحاب الرائے (فقہاء) داخل ہوئے، میں بھی ساتھ گیا، پھر املاء کرانے والے نے امام ابو یوسفؒ سے درخواست کی تو انھوں نے پہلی مجلس میں ایک حدیث حسن بن صالح سے لکھوائی، پھر انکو کچھ شبہہ ہوا یا کسی نے کوئی بات کی اور میں نہیں سمجھ سکا، تو فرمایا: میں کسی پر کسی چیز سے اتنا نہیں ڈرتا جتنا اس شخص پر ڈرتا ہوں جو حسن بن صالح پر کلام کرے، میرے دل میں یہ آیا کہ شعبہ کو مراد لے رہے ہیں، میں فوراً کھڑا ہوا اور کہا: اللہ کیلئے مجھ پر لازم ہے کہ میں اس مجلس میں نہیں بیٹھوں گا جس میں ابو بسطام (شعبہ) کی طرف اشارہ کیا جاتا ہو، پھر میں باہر نکل گیا، لیکن میں نے اپنے جی میں سوچا کہ یہ تمام شہروں کے قاضی ہیں اور امیر المؤمنین کے وزیر اور ان کے حج کے ساتھی ہیں، ان کو میری ناراضگی سے کیا نقصان اور رضامندی سے کیا فائدہ؟ دوبارہ پھر آگیا اور بیٹھ گیا، جب مجلس ختم ہوگئی تو میری طرف اس طرح متوجہ ہوئے جیسے میری ہی ان کو فکر تھی، فرمایا: اے ہشام [میرا نام لے رہے ہیں اسلئے کہ بغداد میں میں انکے یہاں تھا]، خدا کی قسم میں نے ابو بسطام (شعبہ) کے بارے میں کوئی بُرا ارادہ نہیں کیا وہ میرے دل میں اس سے بڑے ہیں جتنا تمہارے دل میں، لیکن میں نہیں جانتا کہ میں نے حسن بن صالح جیسا کوئی آدمی دیکھا ہو.

بکار بن قتیبہ فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ میں نے ہلال بن یحی کو سنایا تو فرمایا: بخدا میں ہی وہ آدمی ہوں جس نے امام ابو یوسفؒ کو انگوٹھی کے متعلق سوال کا جواب دیا تھا، میرے والد قتیبہ بھی میرے ساتھ اس مجلس میں تھے، میری دلیل یہ ہے کہ امام ابو یوسفؒ نے اس دن مکاتب کا ایک باب ہم کو لکھوایا، جب فارغ ہوئے تو میں لوگوں کے درمیان سے اٹھ کر ان کے پاس گیا اور ان سے کہا صَرف کے بارے میں آپ لوگوں کا یہ مذہب نہیں تو کیا اُس قول کو بدل دیں اور یہ لکھ لیں یا اِس کو بدل دیں اور اُس قول کو لکھ دیں؛ فرمایا دونوں کو رہنے دو، بعد میں کوئی آئے گا جو دونوں میں فرق کرے گا. اھ

(ابن ابی عوام نے) حسن بن قاسم بن عبدالرحمٰن دمشقی سے نقل کیا، انھوں نے احمد ابن صالح بن مھران سے، ان سے عزم بن فروہ نے بیان کیا کہ امام ابو یوسفؒ قاضی نے حج کیا تو حجاز میں واقدی کو تنگی کی حالت میں پایا، ان کو اپنے ساتھ بغداد لے گئے، جب ہارون رشید کے پاس پہونچے تو انکو سلام کیا اور یحیی بن خالد کو بھی سلام کیا، یحیی نے فرمایا: اے ابو یوسف! مکہ مکرمہ سے ہمارے لے کیا ہدیہ لائے؟ فرمایا: میں آپ کیلئے ایسا ہدیہ لایا ہوں کہ اس سے پہلے اس جیسا ہدیہ کوئی کسی کیلئے نہ لایا ہوگا، فرمایا وہ کیا ہے؟ فرمایا ایک ایسا آدمی لایا ہوں کہ اس سے آپ کچھ بھی سوال کر سکتے ہیں، فرمایا جلدی اسکو میرے پاس بھیج دیجئے، واقدی کہتے ہیں کہ مجھ کو ابو یوسفؒ نے ان کے پاس بھیج دیا، وہ پورے دن مجھ سے سوالات کرتے رہے، رات ہوئی تو اپنے بستر کے بغل میں میرا بستر لگوایا، رات کا آخری حصہ آیا تو دوات اور کاغذ منگوایا اور ایک خط لکھا، اور اپنے بعض خدام کو دیا، اور فرمایا کہ شیخ جب نماز پڑھ لیں تو ان کو لیکر فلاں کے پاس جانا اور انکو خط دے دینا، جب میں نے نماز پڑھ لی تو خادم نے کہا میرے ساتھ تشریف لائیے مجھ کو ساتھ لے کر ایک آدمی کے پاس گیا اور اس کو خط دیدیا، اس آدمی نے خادم سے کہا تم جاؤ اور مجھ سے فرمایا آپ بیٹھئے، پھر غلاموں کو بلایا، اور انکو حکم دیا کہ چمڑے کے فرش بچھائیں، وہ لوگ طبق لاکر چمڑوں پر رکھنے لگے، جب دن چڑھا تو میں نے ان سے کہا مجھے مشغولیت ہے اگر میرا کام کرنا ہو تو کر دیجئے، مجھ سے کہا میں آپ کے کام میں ہوں، وزیر نے مجھے لکھا ہے کہ میں آپ کو ایک لاکھ (درہم) دیدوں، میں نے کہا ٹھہر جایئے مجھے دس ہزار دیدیجئے اور بقیہ اپنے پاس رکھئے، میں لوٹ کر امام ابو یوسفؒ کے پاس آیا اور انکو واقعہ بتایا تو فرمایا میں آپ کیلئے اتنے پر راضی نہیں ہوں اور زیادہ دلانا چاہئے. اھ

یہ تھی واقدی کی قدر و منزلت امام ابو یوسفؒ کے یہاں اور یہ تھی امام ابو یوسفؒ کی بات کی پذیرائی وزیر کے نزدیک، اور اس زمانہ میں سب کے نزدیک علم کی قدر دانی.

ابن ابی العوام نے طحاویؒ سے یہ بھی نقل کیا ہے، انھوں نے عبدہ بن سلیمان سے، انھوں نے ابراہیم بن جراح سے، وہ فرماتے ہیں کہ جب میں بصرہ جانے لگا تو امام ابو یوسفؒ سے پوچھا: میں وہاں کس کے ساتھ رہوں؟ فرمایا: حماد بن زید کے ساتھ رہنا اور انکی قدر کرنا، میں بصرہ پہونچا تو حماد کے ساتھ لگ گیا، واللہ جب بھی ان کے یہاں امام ابو یوسفؒ کا ذکر آتا ان کی عیب جوئی کرتے، ایک دفعہ میں ان کے پاس تھا، ایک عورت آئی اس نے اپنے لئے شرط لکھنے کی درخواست کی، ان کو واپس کرنا مشکل معلوم ہوا اور حدیث کے طلبہ سے علیحدگی بھی گراں معلوم ہوئی اور یہ معاملہ ان کے دل میں بہت پیچیدہ ہو گیا، میں نے عرض کیا: اے ابو اسماعیل! اس سے کہئے کہ اپنا کاغذ مجھے دیدے میں اس کیلئے لکھ دوں گا، ایسا کر دیا اور میں لکھنے میں مشغول ہو گیا، وہ حدیث بیان کرنے سے رک گئے یہانتک کہ میں فارغ ہوں، میں نے کہا رکنے کی ضرورت نہیں آپ اپنا کام کرتے رہئے، چنانچہ حدیث سنانے لگے، جب میں فارغ ہو گیا تو انکو کاغذ دیا، انھوں نے لیا اور پڑھا تو انکو اچھا لگا، مجھ سے پوچھا: کس سے یہ آپ نے سیکھا؟ میں نے کہا انہی سے جن کا ذکر جب آتا ہے تو آپ اسکی برائی کرتے ہیں، جب میں ان کے پاس سے جدا ہوا تو انھوں نے مجھ کو وصیت کی تھی کہ آپ کے سوا کسی اور کے ساتھ نہ رہوں، پوچھا وہ کون ہے؟ میں نے کہا ابو یوسفؒ تو شرمائے اور اس کے بعد ان کا ذکر خیر کے ساتھ کرتے .

اس میں کئی عبرتیں ہیں: ایک تو یہ کہ امام ابو یوسفؒ کا محدثین کے بارے میں انصاف کا برتاؤ تھا، دوسرے یہ کہ ابراہیم بن الجراح اپنے استاذ کے خلاف بات سنتے تھے لیکن کشادہ دِلی کے ساتھ صبر کر رہے تھے کہ کوئی موقع ملے تو اس وقت حماد بن زید کو ان کی زیادتی سے حکمت کے ساتھ منع کروں، تیسرے یہ کہ محدثین کی زبانیں ہمارے علماء کے بارے میں بے کار چلتی رہتی تھیں .

ابن ابی العوام نے طحاوی سے یہ بھی نقل کیا ہے، انھوں نے ابوخازم سے، انھوں نے

حسن بن موسی سے، انھوں نے بشر بن ولید سے کہ امام ابو یوسفؒ نے امام محمدؒ کے بارے میں فرمایا: بہترین تلوار ہے لیکن اس میں کچھ زنگ ہے جس کی صفائی کی ضرورت ہے ، اور حسن ابن زیادؒ کے بارے میں فرمایا کہ وہ اس فارمیسی والے کی طرح ہیں جو اس شخص کو جو پیٹ چلانے (دست لانے) کی دوا مانگتا ہے تو اس کو پیٹ روکنے کی دوا دیتا ہے اور جو پیٹ روکنے کی دوا مانگتا ہے تو اس کو پیٹ چلانے کی دوا دیتا ہے، اور بشر کے بارے میں فرمایا کہ وہ اس سوئی کی طرح ہے جو سِلتی ہے، اسکا کنارہ باریک ہے اور اسکا نوک تیز ہے لیکن جلد ٹوٹ جاتی ہے، اور حسن بن مالکؒ کے بارے میں فرمایا کہ وہ اس اونٹ کی طرح ہے جس نے بہت بوجھ اٹھالیا ہے بارش کا دن ہے اس کا ہاتھ کبھی اِدھر جاتا ہے کبھی اُدھر پھر بچ جاتا ہے، اور ابراہیم بن جراح کے بارے میں فرمایا کہ وہ میرے نزدیک اس آدمی کی طرح ہے جس کے پاس ایسے دراہم ہیں جن میں سرمہ لگا ہوا ہے جب ہاتھ لگتا ہے تو اس میں سے کچھ کم ہوجاتا ہے. اھ

دراہم مکحلہ ان دراہم کو کہتے ہیں جن کے ساتھ سرمہ چپک گیا ہے جسکی وجہ سے ان کا وزن ایک دو دانق زیادہ ہوگیا جیسا کہ مغرب میں ہے ، (مُغرِب: مطرِّزی کی لغت میں ایک کتاب ہے جس میں فقہ کی کتابوں میں آئے ہوئے الفاظ کی شرح کی ہے. مترجم)

امام ابو یوسفؒ سے بعض منقول کلمات

قرطبی نے فرمایا کہ امام شعبیؒ نے اپنی کفایہ میں نقل کیا ہے کہ امام ابو یوسفؒ نے اپنے انتقال کے وقت یہ دعا کی: یا اللہ! آپ جانتے ہیں کہ میں نے ہر اس واقعہ میں جو مجھے پیش آیا آپ کی کتاب میں غور کیا، اگر مسئلہ حل نہ ہوا تو آپ کے نبی ﷺ کی سنت میں غور کیا،

---

۱ اصل میں ایسا ہی ہے. ۱۲ مترجم

وہاں سے مسئلہ حل نہیں ہوا تو صحابہ رضی اللہ عنہم کے اقوال میں غور کیا، وہاں سے حل نہ ہوا تو امام ابو حنیفہؒ کو اپنے اور آپ کے درمیان پُل بنایا.

اور آپ کو معلوم ہے کہ جب بھی میرے پاس دو شخص آئے ایک کمزور اور دوسرا قوی تو میں نے دونوں میں برابری کی، میرا دل طاقتور کی طرف مائل نہیں ہوا، یا اللہ! اگر آپ جانتے ہیں تو مجھے معاف فرمادیجئے.

سِبط ابن الجوزی کی مرآۃ الزمان میں ہے کہ امام ابو یوسفؒ فرمایا کرتے تھے: کہ کاش میں قضاء میں داخل نہ ہوتا تو اچھا ہوتا، پھر بھی اللہ کے فضل سے میں نے کبھی ظلم کا قصد نہیں کیا، ایک شخص کی اس کے مد مقابل پر کبھی حمایت نہیں کی، خواہ وہ بادشاہ ہو یا معمولی آدمی، یا اللہ! آپ کو معلوم ہے کہ میں نے کسی فیصلہ میں آپ کے کسی بندہ پر قصداً ظلم نہیں کیا، فیصلوں میں میں نے کوشش کی کہ آپ کی کتاب اور آپ کے رسول ﷺ کی سنت کے مطابق ہو، اور جہاں مشکل پیش آئی امام ابو حنیفہؒ کو اپنے اور آپ کے درمیان واسطہ بنایا اور ابو حنیفہؒ آپ کے حکم کو جانتے تھے اور آپ کے فیصلہ سے باہر نہیں جاتے تھے.

ابن ابی العوام نے امام طحاوی سے نقل کیا کہ میں یونس بن عبد الاعلی کے پاس موجود تھا، وہاں احمد بن ابی عمران بھی تھے، یونس نے امام شافعیؒ سے نقل کیا کہ فرمایا: بسا اوقات مجھ سے ایک مسئلہ پوچھا گیا، میں اسکی علت دل سے جانتا ہوں لیکن زبان سے الفاظ میں بیان نہیں کرسکتا، ان سے احمد بن عمران نے پوچھا: اس کے علاوہ بھی کچھ کہا؟ فرمایا نہیں، احمد نے کہا: ہمارے یہاں امام ابو یوسفؒ سے اس سے اچھی نقل ہے، مجھ سے محمد بن شجاع نے بیان کیا، انھوں نے حسن بن ابی مالکؒ سے روایت کیا، انھوں نے فرمایا: میں نے امام ابو یوسفؒ کو سنا فرمارہے تھے: مجھ سے بسا اوقات ایک مسئلہ پوچھا گیا میں دل سے اس کی علت جانتا ہوں لیکن زبان سے اس کو بیان نہیں کرسکتا، میری مثال اس میں ایسی ہے جیسے کسی کو کسی نے ایک درہم دکھایا اور پوچھا کہ یہ عمدہ ہے یا بے کار؟ پھر وہ جواب دے لیکن اس کی

وجہ وہ بیان نہ کر سکے، صرف اتنا ہی کہے کہ وہ عمدہ ہے یا بیکار ہے. اھ

موفق مکی کی کتاب میں ابوسلیمان کے طریق سے بیان ہوا کہ امام ابو یوسفؒ نے فرمایا: کبھی دو مسئلوں میں فرق میں بال کے برابر بیان کرتا ہوں، کبھی پہاڑ کے برابر اور کبھی دو مسئلوں میں فرق دل سے جانتا ہوں لیکن زبان سے بیان نہیں کر سکتا. اھ

علی بن حجر نے فرمایا کہ میں نے امام ابو یوسفؒ کو یہ فرماتے سنا کہ میں فرائض میں علی اور زید رضی اللہ عنہما کا قول لیتا ہوں اور جب ان میں اختلاف ہوتا ہے تو علیؓ کا قول لیتا ہوں اسلئے کہ ان دونوں کا اختلاف جد کے بارے میں قضاء سے ہے اور آنحضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ تم میں بڑے قاضی علی ہیں. اھ

امام ابو یوسفؒ نے یہ بھی فرمایا: اے لوگو! اپنے عمل سے اللہ تعالی کو مقصود بناؤ، میں نے کتنی مجلسوں میں شرکت کی، میرا مقصد تواضع اور خاکساری تھی، لیکن میں مجلس سے اٹھا تو سب سے اونچا تھا، اور کسی مجلس میں اگر بڑا بننے کا ارادہ ہوا تو وہاں سے ذلیل ہو کر اٹھا، اسلئے اے لوگو! اپنے عمل سے اللہ تعالی کو چاہو، اسکو حارثی نے اپنی سند کے ساتھ بیان کیا.

وکیع قاضی نے علی بن اشکاب سے نقل کیا، انھوں نے اپنے والد سے کہ امام ابو یوسفؒ نے فرمایا: اے لوگو! اپنے عمل سے اللہ تعالی کا ارادہ کرو اسلئے کہ میں کسی مجلس میں تواضع کی نیت سے بیٹھا تو لوگوں میں بڑا بن کر اٹھا، اور جب کبھی بڑے بننے کی نیت سے بیٹھا تو ذلیل ہو کر اس مجلس سے اٹھا.

امام احمد بن حنبلؒ نے امام ابو یوسفؒ سے نقل کیا کہ جو عار و شرم سے نہ ڈرتا ہو اس کے ساتھ بیٹھنا قیامت کے دن عار و شرم ہوگا، اور نعمتوں کی سردار تین نعمتیں ہیں (۱)۔ اسلام جس کے بغیر کوئی نعمت مکمل نہیں ہوسکتی (۲)۔ صحت کی نعمت جس کے بغیر عافیت عمدہ نہیں ہوتی (۳)۔ غنی اور مالداری کی نعمت جس کے بغیر زندگی کا عیش مکمل نہیں ہوتا.

علی بن الجعد نے امام ابو یوسفؒ سے نقل کیا کہ علم ایسی چیز ہے کہ تم کو اپنا بعض نہیں دیگا

جب تک تم اس کو اپنا کل نہ دو اور جب تم نے اس کو اپنا کل دیدیا تو بعض دینے سے ہوشیار رہنا. اھ (یعنی بعض پر اکتفاء نہ کرنا . مترجم)

امام ابو یوسفؒ کے جوابات اور فیصلوں کے چند نمونے

خطیب نے نقل کیا کہ امام ابو یوسفؒ سواری پر سوار تھے اور ان کا غلام پیچھے دوڑ رہا تھا، ایک آدمی نے امام سے کہا: کیا آپ جائز سمجھتے ہیں کہ آپ کا غلام دوڑے، کیوں نہیں سوار کر لیتے؟ اس سے امام ابو یوسفؒ نے فرمایا تمہارے خیال میں کیا میرے لئے جائز ہے کہ اپنے اس غلام کو کسی کو کرایہ پر دیدوں؟ اس نے کہا جی ہاں، فرمایا: تو میرے ساتھ دوڑ سکتا ہے جیسا کہ اگر کرایہ پر ہوتا.

ابن ابی العوام نے طحاوی سے، انھوں نے جعفر بن احمد بن ولید سے نقل کیا، انھوں نے بشر بن ولید سے کہ امام ابو یوسفؒ سے ایک آدمی نے پوچھا کہ میرا باپ نصرانی ہے اور نابینا ہے، اس سے کبھی میری ملاقات اس وقت ہوتی ہے جب کہ وہ عیسائیوں کے گرجا کی طرف جا رہا ہوتا ہے، اور کبھی وہاں سے واپس آتے ہوئے ملاقات ہوتی ہے، کیا میں اس کا ہاتھ پکڑ سکتا ہوں؟ امام ابو یوسفؒ نے فرمایا: گرجا کی طرف جا رہا ہو تو اس کا ہاتھ مت پکڑو، وہاں سے واپس آ رہا ہو تب اس کا ہاتھ پکڑو.

حسن بن ابی مالکؒ نے امام ابو یوسفؒ کو فرماتے ہوئے سنا: میں بیمار ہوا تو سب کچھ جو مجھے یاد تھا بھول گیا حتی کہ قرآن پاک بھی لیکن فقہ کو نہیں بھولا، پوچھا گیا کیوں ایسا ہوا؟ فرمایا اسلئے کہ فقہ کے سوا ہر چیز جو مجھے یاد ہے حفظ کی وجہ سے، یعنی بار بار دہرانے کی وجہ سے) اور فقہ کا علم ہدایت کا علم ہے (اندر پیوست ہو گیا ہے) اس میں میری مثال ایسی ہے جیسے کوئی آدمی اپنے وطن سے چند سال غائب رہے تو کیا اپنے گھر کا راستہ بھول سکتا ہے؟

بشر بن ولید نے امام ابو یوسفؒ کو فرماتے سنا: عورت کیلئے مناسب نہیں کہ اپنے غلام کے سامنے یا اپنے بیٹے اور اپنے باپ کے غلام کے سامنے اپنا سر کھولے اور اگر کوئی آدمی اپنی ماں کے سر کو دھوئے اور جوئیں تلاش کرے تو یہ اسکے ساتھ نیکی اور فرمانبرداری ہوگی۔

ہلال رائے نے امام ابو یوسفؒ کو فرماتے سنا: والیوں کا موٹے جھوٹے کپڑے پہننا ذلت ہے اور قاضیوں کو ایسا لباس پہننا محتاجی ہے۔

یہ بھی فرمایا: کسی بیع نامہ کی شہادت میں کم سے کم دس گواہ ہونے چاہئے دو کا انتقال ہوسکتا ہے، دو غائب ہوسکتے ہیں، دو جھوٹ بول سکتے ہیں، دو جج رہیں گے، دو نہیں آئیں گے۔

موفق (کی کتاب) میں ہے کہ امام ابو یوسفؒ نے علی بن عیسی وزیر کی گواہی رد کردی، اسلئے کہ جماعت سے نمازیں نہ پڑھنے کی خبر ملی تھی، پھر وزیر نے اپنے گھر کے صحن میں مسجد بنوائی اور جماعت سے نماز پڑھنے لگے۔

حسن بن ابی مالک کہتے ہیں کہ امام ابو یوسفؒ کے پاس اصفہان سے ایک عورت لائی گئی جو اسلام سے پھر گئی تھی، امام اس کے قتل سے ڈرے اور اپنے قول سے رجوع کرلیا اور امام ابو حنیفہؒ کے قول کو مان لیا کہ مرتد ہونے والی عورت قید کی جائیگی، قتل نہیں۔

بشر کہتے ہیں کہ ایک دفعہ میں امام ابو یوسفؒ کے پاس تھا، ایک مسئلہ میں انھوں نے بات کی تو میں نے کہا اس مسئلہ میں اللہ تعالے کا حکم یہ نہیں ہے، فرمایا کیا ہر مسئلہ میں منصوص حکم ہے؟ میں نے کہا جی ہاں! فرمایا: اس آدمی کے بارے میں اللہ تعالے کا کیا حکم ہے جس نے کسی مرغی پر ظلم کیا، اس کی آنکھ پھوڑ دی؟ میں نے کہا ایک صحیح مرغی کی قیمت معلوم کی جائیگی جس کی آنکھ صحیح سالم ہو پھر ایسی مرغی کی جس کی آنکھ پھوٹی ہوئی ہو، دونوں کی قیمت میں جو فرق ہے وہ اس آدمی پر واجب کی جائیگی، امام ابو یوسفؒ نے یہ سن کر اپنے داہنے ہاتھ کی انگلیوں کو جمع کیا پھر یہ شعر پڑھا ؎

أعلـمه الرماية كلَ يوم — و لمّا اشتدّ ساعدُه رماني

(ترجمہ): میں اسکو روزانہ تیراندازی سکھاتا ہوں، جب اسکا ہاتھ مضبوط ہوگیا تو مجھی کو تیر مارا۔ اور اپنے بائیں ہاتھ کی طرف اشارہ کیا۔

بشر سے یہ بھی مروی کہ امام ابو یوسفؒ نے فرمایا: جو آدمی کسی پینے کی چیز پر نشہ کی نیت سے بیٹھا، اس پر پہلا پیالہ بھی حرام ہے، اس پر بیٹھنا بھی حرام ہے، اس کی طرف چلنا بھی حرام ہے، جیسا کہ زنا حرام ہے اور زنا کی طرف چلنا بھی حرام ہے۔

معلیٰ بن منصور سے روایت ہے کہ ابو یوسفؒ نے ہارون رشید کے ساتھ حج کیا تو ہارون رشید نے لوگوں کو دو رکعت پڑھائی، امام ابو یوسفؒ نے کھڑے ہوکر اعلان کیا کہ مکہ والو! اپنی نماز پوری کرلو، ہم لوگ مسافر ہیں، مکہ کے ایک آدمی نے جو نماز میں تھے بولے کہ ہم زیادہ جانتے ہیں آپ کو بتانے کی ضرورت نہیں، امام ابو یوسفؒ نے فرمایا: اگر جانتے ہوتے تو نماز میں نہ بولتے، ہارون رشید نے فرمایا: اسکے بجائے سرخ اونٹ مجھے زیادہ خوش نہیں کرتے۔

ابو بکر خصاف نے اپنے والد سے نقل کیا کہ جب امام ابو یوسفؒ کے انتقال کا وقت قریب ہوا تو ہم ان کے سر کے پاس بیٹھے اور پوچھا آپ کو اس قضاء کی طرف سے دل میں کچھ ہے؟ فرمایا نہیں، خدا کی قسم صرف ایک بات ہے، ایک نصرانی نے ایک مرتبہ دعوی کیا کہ ہارون رشید پر میری ایک زمین ہے، میں نے رشید اور نصرانی کو بلایا، رشید تو ایک جائے نماز لے کر آئے جس پر بیٹھے، میں نے نصرانی کیلئے اس جیسا مصلی نہیں منگایا، اسکا میرے دل میں افسوس ہے۔

حسن بن ابی مالک سے روایت ہے کہ میں نے امام ابو یوسفؒ سے انکے مرض وفات میں سنا فرمارہے تھے کہ واللہ میں نے زنا نہیں کیا، بخدا میرے بارے میں کوئی حکم کبھی صادر نہیں ہوا، اور مجھکو اپنے بارے میں صرف ایک چیز کا خطرہ ہے جو مجھ سے ہوگئی، میں نے کہا وہ کیا ہے؟ فرمایا ہارون رشید مجھے حکم دیا کرتے تھے کہ میں لوگوں کے واقعات لوں، ان کو پڑھوں پھر لوگوں کے سامنے ہارون کی موجودگی میں سناؤں، چنانچہ ایک دن قبل میں انکو لیتا

تھا اور چھانٹتا تھا، ایک مرتبہ میں نے جمع کیا اور ان کو تلاش کیا تو ایک قصہ ایک نصرانی کا تھا، وہ ہارون رشید سے ایک زمین کے بارے میں انصاف چاہتا تھا، اس کا دعوی تھا کہ یہ زمین ہارون نے غصب کر کے لے لی ہے، میں نے اس کو بلایا اور پوچھا وہ زمین کس کے قبضہ میں ہے؟ اس نے کہا امیر المؤمنین کے قبضہ میں ہے، میں نے پوچھا اسکے پھل کون بیچتا ہے؟ کہا امیر المؤمنین، اس پر معاملہ کو قریب کرنے کیلئے پوچھا: اسکی آمدنی کون جمع کرتا ہے؟ اس نے کہا امیر المؤمنین، جب میں چاہتا کہ امیر المؤمنین کے سوا کسی کا نام لے تو وہ جھگڑا امیر المؤمنین ہی کی طرف لے جاتا، اسکے قصہ کو لوگوں کے قصوں کے ساتھ جمع کیا، جب مجلس کا دن ہوا تو میں ایک ایک آدمی کو بلاتا رہا، یہاں تک کہ نصرانی کا قصہ میرے ہاتھ میں آیا، میں نے اسکو بلایا، وہ آیا، اسکا قصہ امیر المؤمنین کو سنایا، امیر نے کہا: یہ زمین ہماری ہے، منصور سے وراثت میں ہم کو ملی ہے، میں نے نصرانی سے کہا امیر المؤمنین کی بات تم نے سنی؟ تمہارے پاس تمہارے دعوی کیلئے گواہ ہیں؟ کہا نہیں، لیکن میرے لئے ان سے قسم لیجئے، میں نے ہارون سے کہا: امیر المؤمنین! کیا آپ قسم کھائیں گے؟ فرمایا: جی ہاں، پھر قسم کھالی، نصرانی چلا گیا، امام ابو یوسفؒ نے فرمایا مجھکو صرف اس کا ڈر ہے، حسن نے کہا اس میں ڈرنے کی کیا بات ہے؟ آپ نے جو کیا (ٹھیک) کیا، فرمایا میں نے اس کو ہارون کے ساتھ خصم کی مجلس میں نہیں بیٹھایا.

ان سب واقعات کی سندیں ابن ابی عوام کی کتاب میں مذکور ہیں .

قاضی وکیع نے [أخبار القضاة] میں ابراہیم بن ابی عثمان سے نقل کیا ہے، انھوں نے عبد الصمد سے، کہ امیر المؤمنین موسی کے خلاف ان کے باغ کے بارے میں امام ابو یوسفؒ کے یہاں مقدمہ گیا، فیصلہ بظاہر امیر المؤمنین کے حق میں تھا، لیکن حقیقت' ظاہری فیصلہ کے خلاف تھی، امیر المؤمنین نے فرمایا: جو جھگڑا ہم آپ کے پاس لائے اس میں آپ نے کیا کیا؟ امام ابو یوسفؒ نے فرمایا: آپ کا مقابل یہ کہتا ہے کہ امیر المؤمنین سے قسم لیجئے

کہ ان کے گواہوں نے صحیح گواہی دی ہے، موسی نے پوچھا: کیا آپ اسکے قائل ہیں؟ فرمایا: ابن ابی لیلی اس کے قائل تھے، موسی نے کہا باغ اسکو دیدیجئے، امام ابو یوسفؒ نے صرف اس کے خلاف حیلہ کیا. اھ

خطیب نے بھی قاضی وکیع کی سند سے یہ قصہ ذکر کیا ہے، اور یہ قصہ رشید کے قصہ کے سوا ہے .

صمیری نے رشید کا قصہ بہت تفصیل سے ذکر کیا ہے، اس کے آخر میں یہ ہے :

اس بڑھے نے منہ پھیرتے ہوئے کہا: اس کو کھا جاؤ ستو پینے کی طرح، اور امیر المؤمنین کا چہرہ بدل گیا جب قسم کھائی اور سر جھکا کر سوچنے لگے، میں نے کہا: میں بھی ہلاک ہوا اور وہ آدمی بھی، اتنے میں یحی بن خالد نے کہا: اے یعقوب! امیر المؤمنین جیسا عدل وانصاف کرنے والا کسی کو آپ نے دیکھا ہے؟ اپنی رعایا میں سے ایک آدمی کے بارے میں ایسا انصاف کیا جو آپ نے دیکھا، یہ سن کر امیر المؤمنین کا افسوس دور ہو گیا اور یہ سنکر خوش ہو گئے اور فرمایا سبحان اللہ! انصاف ضروری ہے، یحی بن خالد نے کہا یہ جملہ فاروق اعظم سے نکلتا تو خوب ہوتا، یہ لفظ کہا یا اسی طرح کا دوسرا لفظ.

پھر صیمری نے یہ ذکر کیا کہ امام ابو یوسفؒ کو اس کا غم رہا کہ دونوں کو مجلس میں بٹھانے میں برابری نہیں کی.

امام ابو یوسفؒ کے ایسے بہت سے واقعات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ فیصلہ میں کسی کی پرواہ نہیں کرتے تھے، راعی اور رعایا، مالدار اور فقیر، بادشاہ اور معمولی آدمی میں فیصلہ میں برابری کرتے تھے، اس سے ان کی اور اسلام میں فیصلہ کی شان بلند ہوتی ہے .

ذہبیؒ اپنے جزء میں فرماتے ہیں: قاضی القضاۃ ابو یوسفؒ کے بہت سے واقعات ہیں جن سے ان کی سرداری، کرم وسخاوت، جوانمردی اور اونچی حیثیت، اور علم وفضل میں ان کے مکمل احترام کا پتہ چلتا ہے، کچھ روایات ان کی پوزیشن کو گھٹانے والی بھی ہیں جن میں بعض

صحیح نہیں ہیں، عقیلی اور ابن ثابت نے انکو ذکر کیا ہے ۔اھ
میں نے انکی جگہ ان سے بحث کر لی ہے اسلئے یہاں ان کا تذکرہ نہیں کرتا۔

امام ابو یوسفؒ کا ایک مدت تک یہ سمجھ کر کہ اب مجھے امام ابوحنیفہؒ کی ضرورت نہیں امام صاحبؒ کی مجلس سے غیر حاضر رہنا

زین بن نجیم نے [الاشباہ و النظائر] میں حکایات کے فن میں ذکر کیا ہے کہ امام ابو یوسفؒ امام اعظمؒ کو بتائے بغیر پڑھانے کیلئے بیٹھ گئے تو امام صاحبؒ نے ایک آدمی کو پانچ سوالات دیکر امام ابو یوسفؒ کے پاس بھیجا، خطیب اور صیمری وغیرہ نے بھی اسکو ذکر کیا ہے:

۱۔ ایک دھوبی نے کپڑے سے انکار کر دیا (کہا: تمہارا کپڑا میرے پاس نہیں ہے) اور دُھل کرلایا، مزدوری کا مستحق ہوگا یا نہیں؟ امام ابو یوسفؒ نے فرمایا: اجرت کا مستحق ہوگا، سائل نے کہا: آپ نے غلطی کی، تو امام ابو یوسفؒ نے فرمایا اجرت کا مستحق نہیں ہوگا، سائل نے کہا یہ بھی غلط ہے، صحیح یہ ہے کہ اگر اس نے کپڑے کو انکار سے پہلے دُھلا ہو تو مزدوری کا مستحق ہوگا ورنہ نہیں ۔

۲۔ نماز میں داخل ہونا فرض سے ہوتا ہے یا سنت سے؟ امام ابو یوسفؒ نے فرمایا فرض سے، سائل نے کہا غلط کہا آپنے، فرمایا سنت سے، سائل نے کہا یہ بھی صحیح نہیں، امام ابو یوسفؒ پریشان ہوئے، اس آدمی نے کہا: دونوں سے، تکبیر فرض ہے اور رفع یدین سنت ہے ۔

۳۔ ایک پرندہ ایک ہانڈی میں گر کر مر گیا، ہانڈی آگ پر تھی، اس میں گوشت اور شوربہ ہے، اس کو کھائیں گے یا نہیں؟ فرمایا کھائیں گے، سائل نے کہا غلط ہے، پھر فرمایا نہیں کھائیں گے، کہا یہ بھی غلط ہے، پھر سائل نے کہا: اگر گوشت پرندے کے پڑنے سے پہلے پک چکا تھا تو تین دفعہ دھل کر کھالیں گے، شوربہ پھینک دیں گے، سب نہیں پھینکیں گے ۔

۴۔ کسی مسلمان کی بیوی ذمیہ (کتابیہ) ہے، مسلمان سے حاملہ ہونے کے بعد مرگئی، اس کو کس قبرستان میں دفن کریں گے؟ امام ابو یوسفؒ نے فرمایا مسلمانوں کے قبرستان میں، سائل نے کہا غلط ہے، پھر فرمایا ذمیوں کے قبرستان میں، سائل نے کہا صحیح نہیں، امام ابو یوسفؒ پریشان ہوئے، اس سائل نے کہا: یہودیوں کے قبرستان میں، لیکن اس کا چہرہ قبلہ سے پھیر دیں گے تاکہ بچہ کا چہرہ قبلہ کی طرف ہو کیونکہ بچہ کا منہ ماں کے پیٹ میں پیٹھ کی طرف ہوتا ہے ۔

۵۔ کسی آقا کی ام ولد نے آقا کی اجازت کے بغیر کسی سے شادی کر لی، پھر مولی کا انتقال ہوگیا، اس ام ولد پر آقا کی وجہ سے عدت آئیگی یا نہیں؟ فرمایا واجب ہوگی، سائل نے کہا غلط ہے، فرمایا نہیں واجب ہوگی، سائل نے کہا یہ بھی صحیح نہیں، پھر سائل نے کہا: اگر شوہر نے دخول کرلیا تو نہیں واجب ہوگی ورنہ واجب ہوگی ۔

امام ابو یوسفؒ کو اپنی کوتاہی کا احساس ہوا تو دوبارہ امام ابوحنیفہؒ کے یہاں حاضر ہوئے، امام صاحب نے فرمایا: آپ کاٹے جانے سے پہلے خشک انگور (کشمش) ہوگئے، فیض کے اجارات میں بھی اسی طرح مذکور ہے ۔

امام کردری کے مناقب میں ہے کہ امام ابو یوسفؒ کے الگ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ امام ابو یوسفؒ بیمار ہوئے، امام اعظمؒ نے انکی عیادت کی اور فرمایا: مجھ کو امید تھی کہ میرے بعد تم سے مسلمانوں کو فائدہ پہونچے گا، جب اچھے ہوئے تو عجب پیدا ہوا اور زبانی لکھانے کی مجلس قائم کر دی، دوبارہ جب امام ابوحنیفہ کی مجلس میں آئے تو امام صاحب نے فرمایا: تم کو دھوبی کا مسئلہ یہاں لایا، سبحان اللہ ایک آدمی اللہ تعالی کے دین میں گفتگو کرتا ہے، اور علم کی مجلس قائم کرتا ہے، اور اس کو اجارہ کا مسئلہ اچھی طرح نہیں آتا، پھر فرمایا: جو یہ سمجھے کہ میں تعلیم سے بے نیاز ہوگیا اس کو اپنے اوپر رونا چاہیئے ۔ اھ

یہ قصہ امام ابو یوسفؒ کے ابتدائی دور کا ہے اس سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ آخر میں بھی

اجتہاد کے درجہ کونہیں پہونچے، اسلئے اس قصہ سے یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ امام ابو یوسفؒ صرف مجتہد فی المذہب تھے، اسلئے کہ وہ فقہ کے درجات پر ترقی کرتے رہے یہاں تک کہ اجتہادِ مطلق کے درجہ پر پہونچ گئے، یہ کوئی تعجب کی بات نہیں، جوانی میں اپنے علم پر دھوکہ کھا کر ایسا کیا، پھر ان کا علم پختہ ہوا اور اپنے استاذ کے لائق خلیفہ بنے، یہ کوئی انوکھی بات نہیں کہ جوان اپنے تحصیل علم کے ابتدائی مراحل میں دھوکہ کھا جائے پھر صحیح راستہ پر آجائے، اس طرح کا واقعہ امام اعظمؒ کے ساتھ بھی پیش آیا، قریب تھا کہ اپنے استاذ حماد بن ابی سلیمان کی مجلس سے الگ ہو جاتے، پھر دوبارہ آئے اور استاذ کے ساتھ رہے، یہاں تک کہ استاذ کا انتقال ہوا، یہ ایک لمبا قصہ ہے، ہم نے ابن قتیبہ کی [لفت اللحظ الی ما فی الاختلاف فی اللفظ] میں ابوالشیخ کی تاریخ اصفہان سے نقل کرکے ذکر کیا ہے کہ امام اعظمؒ اپنے استاذ حماد کے مجلس میں ایسی سخت پابندی سے آتے رہے کہ اس سے بہت کچھ سبق لے سکتے ہیں.

امام ابو یوسف کا مذہب امام ابو حنیفہؒ کے مذہب کے ساتھ کیوں جمع ہوا؟

امام زفر، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ نے امام ابو حنیفہؒ سے اصلی اور فرعی دونوں طرح کے مسائل میں اختلاف کیا ہے، جیسا کہ اصول وفروع میں مذہب کی کتابوں سے ظاہر ہے، اسکے باوجود ان شاگردوں کی رائیں امام اعظمؒ کی رایوں کے ساتھ مذہب کی کتابوں میں جمع کی گئی ہیں اور ان سب کو امام ابو حنیفہؒ کا مذہب گِنا جاتا ہے ان اختلافات کے باوجود، بلکہ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ فتوی کبھی امام ابو حنیفہؒ کے قول پر ہوتا ہے اور کبھی ان شاگردوں میں سے کسی کی رائے پر باوجود اختلاف مذہب کے.

یہ بات مشکل سمجھی گئی حتی کہ امیر مکہ شریف سعد بن زیدؒ نے شعبان ۱۱۰۵ھ میں یہ سوال کیا:

سوال۔ امام ابو حنیفہؒ اور ان کے شاگرد امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے مذہب کے بارے میں

آپ لوگ کیا کہتے ہیں؟ اسلئے کہ ان میں سے ہر ایک شریعت کے چاروں اصول، کتاب، سنت، اجماع، قیاس میں مجتہد تھا، ہر ایک کا ایک ہی مسئلہ میں دوسرے سے الگ مستقل قول ہے؟ کیسے آپ لوگ ان تینوں مذاہب کو ایک مذہب کہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ سب ابو حنیفہؒ کا مذہب ہے؟ اور جو امام ابو یوسفؒ کے قول پر یا امام محمدؒ کے قول پر عمل کرتا ہے وہ بھی حنفی ہے، جب کہ حنفی صرف اسکو کہنا چاہئے جو امام ابو حنیفہؒ کے مذہب پر عمل کرے؟

(جواب)۔ شیخ عبدالغنی نابلسیؒ نے جو اپنے زمانہ کے حنفی فقہاء میں سے تھے اس کا جواب اپنے ایک رسالہ میں دیا ہے، جس کا نام ہے [الجواب الشریف للحضرة الشریفة فی أن مذهب أبی یوسفؒ و محمدؒ هو مذهب أبی حنیفةؒ] اس میں جو رائے ظاہر کی ہے اسکا خلاصہ یہ ہے کہ ان دونوں کی رائیں امام ابو حنیفہؒ سے مروی روایات ہیں اسلئے انکے اقوال امام ابو حنیفہؒ کے اقوال ہیں اسطرح انکو امام ابو حنیفہؒ کے مذہب میں شمار کرنا صحیح ہوگا.

اس کی دلیل میں صاحبین کے اقوال ذکر کئے ہیں (جن میں وہ فرماتے ہیں کہ ہمارے اقوال امام صاحب کے بھی اقوال ہیں).

اس جواب کو اگرچہ ابن عابدین شامیؒ نے [رد المحتار] میں پسند کیا ہے لیکن یہ عمدہ جواب نہیں ہے، کیونکہ یہ جواب ابن کمال وزیر کے اس قول پر مبنی ہے جو انھوں نے فقہاء کے طبقات بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ صاحبین اصول میں امام اعظمؒ سے اختلاف نہیں کرتے، یہ بات خلاف واقعہ ہے، حقیقت یہ ہے کہ صاحبین بہت سے اصلی اور فرعی مسائل میں امام صاحبؒ سے دلیل کی بنیاد پر اختلاف کرتے ہیں جو مجتہد مطلق کا طریقہ ہے، ان دونوں کو مجتہد مطلق کے درجہ سے نیچے لاکر مجتہدین فی المذہب کے طبقہ میں شمار کرنا حقیقت کے خلاف ہے، اگرچہ ان دونوں نے ہمیشہ اپنے آپ کو امام ابو حنیفہؒ کی طرف منسوب کیا ہے.

صحیح توجیہ یہ ہے کہ مذہب حنفی کا لفظ ان حضرات کی رائے کے مجموعہ پر بولا جانا ایک اصطلاح ہے، اور اصطلاح میں کوئی تنگی نہیں ہے جبکہ ہم دیکھتے ہیں امام ابو حنیفؒ کا مذہب

ایک جماعت کی فقہ ہے ایک جماعت سے، جیسا کہ گزرا.

ان رایوں میں سے ہر رائے کا ظاہر کرنے والا مجتہد مطلق ہے، وہ اپنی دلیل کا اتباع کرتا ہے، تو صاحبین امام اعظمؒ کے ساتھ وہاں اتفاق کرتے ہیں جہاں حکم کی دلیل ان کو اپنے اجتہاد سے وہی ملتی ہے جو امام اعظم کو اپنے اجتہاد سے ملی تھی، تقلید نہیں کرتے، جہاں دلیل امام صاحب کے خلاف نظر آتی ہے وہاں اختلاف کرتے ہیں، اسلئے کسی رائے میں اتفاق تقلید کی دلیل نہیں، بلکہ بعض کو حکم کی دلیل وہی ملی جو دوسروں کو ملی اگر ایسا نہ ہو تو دنیا میں کوئی مجتہد مطلق نہیں ہوگا، اسلئے کہ مجتہدین اکثر مسائل میں ایک دوسرے سے اتفاق رکھتے ہیں.

جن لوگوں نے یہ کہا کہ اصحاب کے تمام اقوال امام اعظم کے اقوال ہیں ان کا مطلب یہ ہے کہ امام اعظم کی مجلس علمی میں بحث وتحقیق کا طریقہ یہ تھا، کہ امام صاحب ایک مسئلہ کو لیتے اور ایک حکم دلیل کے ساتھ بیان کرتے، پھر اسی مسئلہ میں دوسرے حکم کو اختیار فرماتے اور اسکے دلائل بیان کرتے اور پہلے حکم کے دلائل کو توڑ دیتے، پھر تیسرا احتمال اختیار کرتے اور اس کے دلائل پیش کرتے، اس طرح اپنے شاگردوں کی تربیت فرماتے اور ان کو اجتہاد سکھاتے اور تفقہ کے مراحل طے کراتے، بحث وتحقیق کے بعد جس نتیجہ پر پہونچتے اس کو دیوان میں لکھ لیا جاتا، جس میں طے شدہ مسائل لکھے جاتے، اسکے بعد کسی شاگرد کے خیال میں ان کے اجتہاد کی وجہ سے صحیح جواب وہ ہوتا جسکو امام ابو حنیفہؒ نے پہلے اختیار کیا تھا پھر چھوڑ دیا تو وہ شاگرد اسکو اختیار کرتے وہ ان کا قول ہوتا من وجہ اور امام صاحب کا قول بھی ہوتا من وجہ آخر، اسلئے کہ امام اعظمؒ نے ہی اس کو پیش کیا تھا، اور اس کی دلیل دی تھی اگر چہ بعد میں اس سے ہٹ گئے.

اس کی تصدیق اس روایت سے ہوتی ہے جس کو ابن ابی العوام نے محمد بن احمد بن حماد سے نقل کیا، انھوں نے محمد بن شجاع سے، انھوں نے حسن بن ابی مالک اور عباس بن ولید اور بشر بن ولید اور ابو علی رازی سے سنا، یہ لوگ کہہ رہے تھے کہ ہم نے امام ابو یوسفؒ سے

سنا فرما رہے تھے کہ میں نے امام ابو حنیفہؒ کے خلاف جتنے اقوال اختیار کئے ہیں وہ امام صاحب کا قول تھا جس سے وہ ہٹ گئے. اھ

امام کردری نے نیشاپوری سے نقل کیا کہ امام ابو یوسفؒ جب قاضی بنائے گئے تو ان کی خدمت میں امام اعظمؒ کے پوتے اسماعیل بن حماد حاضر ہوئے، امام ابو یوسفؒ کے یہاں دو جھگڑنے والے آئے، جب فیصلہ کا وقت آیا تو امام ابو یوسفؒ نے امام اعظمؒ کے قول پر فیصلہ کیا، اسماعیل نے کہا: آپ تو اس میں امام صاحب سے اختلاف کرتے تھے؟ فرمایا: ہم اسلئے اختلاف کرتے تھے تا کہ ان کے اندر کا علم نکلوائیں، اب جب کہ فیصلہ کا وقت آیا تو ہماری رائے امام صاحب کی رائے سے اونچی نہیں ہوسکتی. اھ

اس طرح کی بات امام محمدؒ سے بھی مروی ہے.

ابن ابی عوام نے ابراہیم بن احمد بن سہل سے نقل کیا، انھوں نے قاسم بن غسان سے، انھوں نے اپنے والد سے، انھوں نے ابو سلیمان جوزجانی سے، انھوں نے محمد بن حسنؒ سے، کہ امام ابو حنیفہؒ بغداد لائے گئے، ان کے سب شاگرد جمع ہو گئے، ان میں ابو یوسفؒ، زفرؒ، اسد بن عمرو اور آپ کے عام قدیم تلامذہ فقہاء موجود تھے، ان لوگوں نے ایک مسئلہ لیا اور اسکو دلائل سے مؤید کیا اور اچھی طرح مضبوط کیا اور طے کیا کہ امام صاحب سے سب سے پہلے یہی مسئلہ ہم پوچھیں گے، جب امام صاحب آ گئے تو وہی مسئلہ سب سے پہلے پوچھا گیا، امام صاحبؒ نے ان کی رائے کے خلاف جواب دیا، مجمع سے ہر طرف سے آواز آئی، اے ابو حنیفہ! آپ کو سفر نے غبی بنا دیا ہے، امام صاحب نے فرمایا: ٹھہرو ٹھہرو، آپ لوگ کیا کہتے ہیں؟ لوگوں نے کہا اس طرح جواب نہیں ہے، امام صاحب نے پوچھا آپ لوگوں کے پاس دلیل ہے؟ لوگوں نے کہا جی ہاں، فرمایا: لاؤ، پھر امام صاحبؒ نے ان سے مناظرہ کیا اور دلیل سے ان پر غالب آ گئے، اور اپنا قول منوالیا اور سب نے یقین کر لیا کہ ان سے غلطی ہوئی، پوچھا: اب سمجھ گئے؟ لوگوں نے کہا جی ہاں، امام صاحب نے فرمایا: اگر کوئی

یہ کہے کہ آپ لوگوں کا قول صحیح تھا، یہ قول غلط ہے تو آپ لوگ اس کے بارے میں کیا کہیں گے ؟ لوگوں نے کہا یہ نہیں ہوسکتا ، بعد والا قول ہی صحیح ہے ، پھر امام صاحب نے ان سے مناظرہ کیا اور دوسرے قول سے ہٹا دیا، لوگ کہنے لگے: ابوحنیفہ! آپ نے ہم پر ظلم کیا، ہمارا ہی قول صحیح تھا، امام صاحب نے فرمایا: اگر کوئی کہے کہ پہلا قول بھی صحیح نہیں، دوسرا قول بھی غلط ہے، صحیح تیسرا قول ہے تو اس کے بارے میں آپ لوگ کیا کہیں گے؟ لوگوں نے کہا یہ نہیں ہوسکتا ، فرمایا: غور سے سنو ، پھر تیسرا قول نکالا اور اس پر بحث کر کے لوگوں کو اسکا قائل کر دیا، لوگوں نے کہا ہم نے جان لیا، امام صاحبؒ نے فرمایا صحیح پہلا قول ہے، جو میں نے تم کو بتایا تھا، اور اسکی وجہ یہ ہے اور یہ ہے، اس مسئلہ کی تین جہات ہیں، اور ہر ایک کی وجہ فقہ میں موجود ہے، اور مذہب بھی ہے، لیکن یہ صحیح ہے، اسکو لے لو اور بقیہ کو چھوڑ دو. اھ

اس طرح امام صاحبؒ اپنے شاگردوں کو فقہ کا ماہر بناتے تھے، اور تفقہ کے مراتب پر انکو چڑھاتے تھے، اس کے لئے مسائل میں بہت سے احتمالات ذکر فرماتے ، اس کے بعد ایک احتمال ایک شاگرد کے نزدیک راجح ہوجاتا اور دوسرا احتمال کسی دوسرے شاگرد کے یہاں، اس طرح امام صاحب ہی ان احتمالات میں سے اکثر کو اٹھانے والے تھے اور اختلافی مسائل میں سے اکثر کو اپنے شاگردوں کو یاد دلانے والے تھے، اس بناء پر اگر صاحبین کے مسائل کو اکثر مسائل پر نظر رکھتے ہوئے مذہب حنفی کہہ دیا جائے تو کوئی حرج نہیں، حدیث شریف میں وقوف عرفہ کو حج کہہ دیا گیا [الحج عرفة] (اسلئے کہ وہ حج کا سب سے بڑا اور اہم رکن ہے) .

ابن ابی عوام نے محمد بن احمد بن حماد سے، انھوں نے ابن شجاع سے، انھوں نے حسن بن ابی مالک سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ امام ابو یوسفؒ فرمارہے تھے ، کہ امام ابوحنیفہؒ کے پاس جب کوئی مسئلہ آتا تو اپنے شاگردوں سے فرماتے کہ تمہارے پاس آثار ہیں؟ لاؤ، ہم آثار پیش کرتے ، اور امام صاحب کے پاس جو آثار ہوتے انکو وہ پیش کرتے پھر غور فرماتے ،

جس طرف زیادہ آثار ہوتے اسکو لے لیتے ، اگر دونوں طرف برابر اور مقابل آثار ہوتے تو نظر و فکر کے ذریعہ ایک کو اختیار کرتے . اھ

امام صاحب ہی ہیں جو اپنے شاگردوں سے فرماتے: تم میں سے کوئی میرا قول نہ اختیار کرے جب تک معلوم نہ ہو جائے کہ میں نے کہاں سے لیا. اھ

اس طریقہ نے اسلامی شہروں کو فقہ اور غور وخوض سے بھر دیا، ان فقہاء کے علاوہ کے سینے اتنی وسعت نہیں رکھتے تھے کہ مسائل میں اس طرح کی بحث وتکرار اور لے دے کو برداشت کرسکیں ، بلکہ ان میں سے اکثر حضرات صرف اپنی رائے اور قول کو پیش کر دیتے تھے، اکثر مناقشہ اور بحث نہیں کرتے تھے، اور صرف جو واقعات اور حادثات پیش آتے اسی کا جواب دیتے تھے، ہاں امام شافعیؒ نے حجازی اور عراقی دونوں چشموں سے سیرابی حاصل کی تھی اسلئے وہ پوری وسعتِ صدر کے ساتھ مسائل میں رد وقدح کو برداشت کرتے تھے، اسلئے دنیا کو فرضی پیش آنے والے مسائل سے بھر دیا، اور فقہ کو پکانے کی خدمت انجام دی، اللہ تعالے ان تمام کو فقہ کی عمدہ خدمت پر پورا بدلہ عطا فرمائے اور سب سے راضی ہوجائے ، ہر ایک کی خدمت کا ایک خاص انداز ہے ؎

(گلہائے رنگارنگ سے ہے زینتِ چمن   اے داغ اس جہاں کو ہے زیب اختلاف سے)

۱۲ مترجم

(خلفاء کے ساتھ امام ابو یوسفؒ کے بعض واقعات)

امام ابو یوسفؒ جب پہلی دفعہ خلیفہ کے لوگوں سے ملے تو یحی بن خالد نے یہ جاننا چاہا کہ امام ابو یوسفؒ کو گزشتہ بادشاہوں کے حالات کتنے معلوم ہیں، اور گزشتہ امتوں اور عربوں کے واقعات نیز پہلے لوگوں کی خبروں کی کتنی معرفت ہے جس کی نئی زندگی میں ضرورت پڑتی ہے، امام ابو یوسفؒ نے اسکو محسوس کرلیا، اور یحی کے ساتھ زیادہ گفتگو نہیں کی ، درمیانی درجہ

کی بات پر بس کر دیا، اور ایسی معلومات حاصل کرنے کیلئے فرصت نکالی، اور اپنی ذہانت اور قوت حافظہ کی وجہ سے تھوڑی مدت میں بہت معلومات حاصل کر لیں، پھر جب وزیر کے ساتھ ان میں سے ایک موضوع پر گفتگو کا موقع ملا تو اس کو تعجب ہوا اور امام کی اس میدان میں بھی وسیع معلومات سے حیران رہ گیا اور اس نے سمجھا کہ امام ابو یوسفؒ کو تمام علوم میں جو وسیع معلومات ہیں اس سے زیادہ پہلے ہی سے یہ معلومات بھی حاصل ہیں، اسلئے امام ابو یوسفؒ کو بڑا اعزت کا مقام ملا جیسا کہ تاریخ کی کتابوں میں مشہور ہے.

ابن ابی عوام نے ابو عبداللہ محمد بن ہارون بن محمد عباسی سے نقل کیا، انھوں نے اپنے والد سے، انھوں نے ابو یحی بن ابی میسرہ سے، انھوں نے سعید بن عثمان زیات سے، انھوں نے اپنے والد سے، وہ فرماتے ہیں: کہ ابو جعفر کے شہر میں جمعہ کے دن جب کہ ہارون رشید منبر پر تھے ایک شخص کھڑا ہوا اور ہارون سے کہا آپ نے انصاف کے ساتھ مال تقسیم نہیں کیا اور رعایا میں انصاف نہیں کیا اور یہ کیا اور یہ کیا، ہارون نے حکم دیا تو پکڑ لیا گیا، اور نماز کے بعد ہارون کے پاس حاضر کیا گیا، ہارون نے امام ابو یوسفؒ کو بلوایا، امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں: میں حاضر ہوا تو ہارون بیٹھے ہوئے تھے، اور وہ آدمی دو آدمیوں کے درمیان تھا، اور جلاد اسکے پیچھے کوڑے لئے ہوئے تیار تھے، مجھ سے ہارون نے فرمایا: اے یعقوب اس نے مجھ سے ایسی بات کی کہ کسی نے ایسی بات اب تک نہیں کی، میں نے کہا: اے امیر المؤمنین آنحضورﷺ سے مال کی تقسیم کے بارے میں کہا گیا کہ یہ ایسی تقسیم ہے جس سے اللہ تعالی کی رضا مقصود نہیں، آپﷺ نے اسکو درگزر اور معاف کر دیا، ایک دفعہ آپﷺ نے مال تقسیم کیا تو کہا گیا: انصاف کیجئے، آپﷺ نے فرمایا اگر میں انصاف نہ کروں تو کون انصاف کریگا؟! آپﷺ نے اسکو بھی معاف فرما دیا اور چھوڑ دیا، اس سے بھی سخت بات آپﷺ سے کہی گئی، ایک دفعہ حضرت زبیرؓ اور ایک انصاری آدمی آپﷺ کے پاس جھگڑتے ہوئے آئے، آپﷺ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے حق میں فیصلہ فرمایا، تو اس انصاری نے کہا:

اسلئے آپ نے ان کے حق میں فیصلہ کیا کہ آپ کے پھوپھی کے بیٹے ہیں؟ آپ نے ان کو معاف کر دیا اور درگزر فرمایا، یہ سن کر ہارون کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا اور انھوں نے اس آدمی کو چھوڑنے کا حکم دیا. اھ

ابن ابی عوام نے اسی سند سے ابو یحی بن ابی میسرہ سے، انھوں نے محمد بن داود عباسی سے نقل کیا کہ ہم لوگ بغداد میں تھے، رمضان کا مہینہ آ گیا، ہر دن شام کو ہارون رشید کے گھر جاتے، عصر کی نماز پڑھ لیتے تو ان لوگوں کو اندر جانے کی اجازت ملتی، عبد اللہ بن العباس، داود بن عیسی، عبداللہ بن سلیمان، انکے بعد ابو یوسفؒ قاضی، ابن ابی عمران طلحی اور حسن لؤلؤی کو اجازت ملتی، یہ لوگ ہارون رشید کے سامنے گفتگو کرتے رہتے، سورج طلوع ہونے کے بعد ہم کو اجازت ملتی، ایک دن ہم داخل ہوئے تو ہارون رشید نے ان فقہاء سے کہا کہ مجھ سے سوال کرو، حسن لؤلؤی نے ایک مشکل مسئلہ دریافت کیا، امام ابو یوسفؒ انکی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: ایسا مسئلہ امیر المؤمنین سے نہیں پوچھا جاتا، لیکن اے امیر المؤمنین! امام ابو حنیفہؒ نے فلاں مسئلہ میں یہ کہا اور یہ دلیل دی، ابن ابی لیلی نے یہ کہا اور یہ دلیل دی آپ ان دونوں میں سے کس کو لیتے ہیں؟ رشید نے کہا: ابو حنیفہؒ کے قول کو اسلئے کہ ان کی دلیل مضبوط ہے، امام ابو یوسفؒ نے فرمایا: فلاں مسئلہ میں ابن ابی لیلی نے یہ کہا اور انکی دلیل یہ ہے (اور امام ابو حنیفہؒ نے یہ کہا اور ان کی دلیل یہ ہے) آپ کس قول کو لیتے ہیں؟ رشید نے کہا: ابن ابی لیلی کے قول کو اسلئے کہ ان کی دلیل قوی ہے.

جب ہم وہاں سے واپس آئے تو امام ابو یوسفؒ نے لؤلؤی کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: اے کمزور! اس طرح کا پیچیدہ مسئلہ خلفاء سے پوچھا جاتا ہے؟ اگر ہم میں سے بعض سے پوچھتے تو جواب نہ پاتے، لؤلؤی نے کہا تو کیوں کہا کہ ہم سے پوچھو؟

فرمایا: ہارون رشید نماز سے فارغ ہو کر سجدہ کی جگہ (پیشانی) پر ہاتھ پھیرتے پھر چہرہ پر ہاتھ پھیرتے، حسن نے ان سے کہا: یہ آپ جو کر رہے ہیں بدعت ہے، کہاں سے سیکھا ہے؟

فرمایا میں نے اپنے آباءواجداد کو یہ کرتے دیکھا ہے انہی کی پیروی کررہا ہوں، امام ابو یوسفؒ نے ہارون سے کہا: انکو پتہ نہیں ہے، پھر لؤلؤی سے کہا آپ نے نہیں سنا ہے کہ آنحضور ﷺ نے ایک صاحب کا رقیہ کیا، تو اپنا ہاتھ اپنے تھوک پر رکھا، پھر زمین پر رکھا اور فرمایا: ہم میں سے بعض کا تھوک ہماری زمین کی مٹی کے ساتھ، ہمارے مریض کو اللہ تعالی کے حکم سے شفاء ہوگی، اس کے بعد ہارون نے لؤلؤی کو آنے سے منع کردیا.

حسن بن زیاد فرماتے ہیں: ہم ایک دن امام ابو یوسفؒ کے دروازہ پر ان کا انتظار کر رہے تھے کہ وہ ہارون رشید کے گھر کی طرف سے مسکراتے ہوئے آئے، فرمایا کہ امیر المؤمنین کے گھر آج ایک واقعہ پیش آیا، آرمینیہ کے قاضی صاحب کے پاس دو باندیوں کا مقدمہ پیش ہوا، وہ دونوں باندیاں اپنے اپنے مٹکوں میں پانی بھر کر کہیں سے چلیں، راستہ میں آرام کیلئے اپنے مٹکوں کو رکھا، دونوں مٹکے ایک دوسرے پر گرے اور ٹوٹ گئے، دونوں قاضی کے یہاں آئیں اور دعوی کیا کہ اُس کا مٹکا میرے مٹکے پر گرا اور میرا مٹکا پھوٹا (لہذا اس سے ضمان دلوایئے)، قاضی دونوں کو دیکھنے لگے کہ کون مدعیہ ہے اور کون مدعٰی علیھا، کچھ سمجھ میں نہیں آیا، قاضی نے ناظم سے کہا کہ ان دونوں کو نکالو، ناظم نے نکال دیا، دونوں چلاّئیں، تو قاضی نے ان کو بلایا، دونوں نے اپنا اپنا قصہ دہرایا، پھر قاضی نے کہا ان کو نکالو، خادم نے نکال دیا پھر انھوں نے شور مچایا، قاضی نے خادم سے فرمایا: جاؤ انکو دو مٹکے خرید کر دیدو تا کہ مجھے راحت ملے، شام کو قاضی نے اپنے ایک دوست سے جو قاضی سے تعلق رکھتے تھے اور ان کے پاس آتے جاتے تھے پوچھا: لوگ ہمارے اس فیصلہ کے بارے میں کیا کہہ رہے ہیں؟ اس نے کہا: لوگ کہہ رہے ہیں کہ قاضی صاحب کو دو مٹکوں کے بارے میں فیصلہ کرنا نہیں آیا تو دونوں کے ضامن بن گئے، قاضی نے کہا: سبحان اللہ کیا لوگ میرے اس عمل پر راضی نہیں کہ جہاں میں اچھی طرح فیصلہ کرسکتا ہوں فیصلہ کروں اور جہاں فیصلہ نہ سمجھ میں آتا ہو وہاں میں ضامن بن جاؤں.

امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ میں نے امیر المؤمنین سے کہا کہ یہ آدمی سمجھدار ہے، اس کا وظیفہ بڑھا دیجئے، چنانچہ ہارون نے ان کا وظیفہ ایک ہزار بڑھا دیا.

حسن بن زیاد نے فرمایا: ہم نے امام ابو یوسفؒ سے پوچھا کہ ایسی صورت میں کیا جواب ہوگا؟ فرمایا: اگر دونوں نے اپنے مٹکوں کو مسلمانوں کے آرام کی جگہ میں رکھا تھا تو ہر ایک نے اپنے مٹکے کو اپنے حق میں رکھا دوسری پر کوئی زیادتی نہیں کی، اور اگر مسلمانوں کے ٹھہرنے کی جگہ کے سوا میں رکھا تو ہر ایک نے دوسرے پر زیادتی کی اور ہر ایک پر دوسرے کے مٹکے کی قیمت واجب ہوگی، اور اگر ایک نے ٹھہرنے کی جگہ میں رکھا اور دوسری نے دوسری جگہ میں رکھا جو مسلمانوں کے آرام کی جگہ نہیں ہے تو دوسری پہلی کی ضامن ہوگی.

اسد بن فرات کہتے ہیں کہ امام ابو یوسفؒ ہارون رشید کی موجودگی میں دو جھگڑنے والوں کے درمیان غور کر رہے تھے، پھر ایک کے خلاف فیصلہ نکلا، کہتے ہیں کہ ہارون دوزانو بیٹھ کر امام ابو یوسفؒ کی طرف دیکھنے لگے یہاں تک کہ انھوں نے اپنا فیصلہ صادر کردیا، پھر ہارون نے فرمایا: میں اور میرے ساتھی ایسا ہی کریں گے یہاں تک کہ امام ابو یوسفؒ کا فیصلہ نافذ ہو.

صیمری نے ذکر کیا ہے کہ امام ابو یوسفؒ کے یہاں یہ مقدمہ آیا کہ ایک مسلمان نے ایک ذمی کو قصداً قتل کردیا، اور اسکے خلاف گواہی بھی قائم ہوگئی، امام ابو یوسفؒ نے قاتل کو قید کردیا (اور ارادہ تھا قصاص میں مارنے کا)، بعض لوگوں نے امام ابو یوسفؒ کے خلاف اشعار کہے جن میں ان کو طعنہ دے رہے ہیں کہ ایک کافر کے بدلہ میں مسلمان کو قتل کرنے جا رہے ہیں، واقعہ ہارون رشید تک پہونچا، انکی خواہش ہوئی کہ قصاص معاف ہوجائے امام ابو یوسفؒ نے قصاص معاف کردیا، اسلئے کہ مقتول کا ولی یہ نہیں ثابت کرسکا کہ مقتول جزیہ ادا کرتا تھا.

(اس میں اشکال کی کوئی بات نہیں ہے) مسلمان ذمی کو قتل کردے تو مسلمان کو قصاص میں قتل کریں گے یا نہیں، یہ ایک مختلف فیہ مسئلہ ہے، بڑی کتابوں میں اسکے دلائل مذکور ہیں.

قرتبی فرماتے ہیں کہ قاتل کو اسلئے قید کرنے کا حکم دیا ہوگا کہ غور کریں گے کہ مقتول کا حال کیسا ہے، اگر ایسا ہے کہ اس کے قاتل کو قصاص میں مارا جائے تو مارا جائے گا، اور اگر قصاص کو ساقط کرنے کا کوئی عذر ہو تو قصاص چھوڑ دیا جائیگا، جب قصاص کو ساقط کرنے کا عذر مل گیا تو قصاص معاف کردیا. اھ

بعض مخالفین یہ کہتے ہیں کہ اگر قصاص واجب تھا تو اس حیلہ سے کیسے ساقط کردیا، اور اگر قصاص ثابت نہیں تھا تو پہلے کیوں اس کو واجب کیا؟ قرتبی نے اس پر نکیر کی اور کہا یہ مجتہد کے مقام پر حملہ ہے، پھر مسئلہ کی دلیلیں تفصیل سے بیان کیں اور عمدہ طریقہ پر بیان کیں، زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہارون رشید کی خواہش تھی کہ قصاص کو ساقط کرنے کا جو حکم شرعی ہے امام ابو یوسفؒ اس سے موافقت کریں اور انھوں نے موافقت کرلی، اگر امام قصاص کا قطعی فیصلہ کرچکے ہوتے تو قاتل کو قید کیوں کرتے، فوراً قتل کروادیتے.

ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ امام ابو یوسفؒ تین خلفاء کے زمانہ میں قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) رہے، مہدی کے زمانہ میں قاضی ہوئے، پھر ہادی اور ہارون رشید کے زمانہ میں بھی قاضی رہے، رشید انکی بہت عزت اور تعظیم کیا کرتا تھا، امام ابو یوسفؒ اسکے پاس بانصیب، باعزت رہے.

ابن عبدالبر نے ابن جریر سے نقل کیا ہے کہ امام ابو یوسفؒ فقیہ، عالم، حافظ تھے، بہت حدیثیں یاد تھیں، محدثین کی ایک جماعت نے ان کی حدیثوں سے اسلئے پرہیز کیا کہ ان پر رائے کا غلبہ تھا، اور وہ بادشاہ کے ساتھ قاضی ہوکر مسائل اور جزئیات کی تفریع کیا کرتے تھے. اھ

پھر ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ یحیٰ بن معین ان کی تعریف اور توثیق کیا کرتے تھے اور بقیہ محدثین ابو حنیفہؒ اور ان کے ساتھیوں کے دشمن جیسے تھے. اھ

ابن عبدالبر نے مشرق کی طرف سفر نہیں کیا تھا اسلئے انکو مشرق کے علماء کے اقوال امام

ابو یوسفؒ کے بارے میں معلوم نہیں تھے، بہت سی نقول گزرچکی ہیں، ان (حنفیہ) کی طرف سے ناقلین کے سینے تنگ تھے، اسکے اسباب ہم نے تانیب الخطیب میں ذکر کردیئے ہیں.

(تنگیوں سے نکالنے میں فقہی تدابیر اور راستوں کی بحث)

لوگوں کو تنگی سے نکالنے کیلئے امام ابو یوسفؒ کی طرف بہت سے حیلے منسوب ہیں، میں نے ذہبی کی کتاب [زغل العلم] کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ جو حیلہ ایسا ہو کہ اس سے حکم شرعی باطل ہوتا ہو ایسا حیلہ وہی کرسکتا ہے جس کا دین کمزور ہو اور اس کا یقین بیمار ہو، باقی تنگیوں سے نکالنے کیلئے کوئی لطیف تدبیر ایسی اختیار کی جائے کہ اس میں کسی حق کو باطل نہ کیا جائے اور کسی باطل کو ثابت نہ کیا جائے اور وہ حیلہ نصوص شرعیہ سے نہ ٹکرائے تو یہ پھر ایسا کام ہے جس کی اللہ تعالے اور اسکے رسول ﷺ نے ترغیب دی ہے، اور متقدمین و متأخرین سلف کا اس پر عمل رہا ہے، اور اسکی وجوہ کی تفسیر بتاتی ہے کہ حیلہ بتانے والا بہت ذہین اور چالاک آدمی ہے، لیکن صحیح ہونے کیلئے وہی شرطیں ضروری ہیں جن کا ہم نے تذکرہ کیا.

حیلے بتانے میں زیادہ جری وہی فقہاء ہوتے تھے جو زیادہ مدت تک قاضی رہے ہوں، غلط حیلہ کی ایک صورت یہ ہے کہ شاذ اقوال پر فتوی دیا جائے جس کی تائید دلائل نہیں کرتے اور ضعیف روایات پر عمل کیا جائے جو نقد میں قوی نہ ثابت ہوں، خواہ ان کو اوپر سے کتنا بھی خوبصورت اور مزین کیا جائے، ورع وتقوی میں کمی کی وجہ سے جو ایسا کرتا ہے اسکو اللہ تعالے کے یہاں جواب دینا ہوگا.

باقی یہ جو کہا جاتا ہے کہ امام ابو یوسفؒ کو ہارون رشید تک رسائی ان شرعی حیلوں کے ذریعہ ہوئی تھی جو امام نے رشید کو بتائے تھے، اس پر ہارون نے ان کو قاضی بنادیا، یہ محض جھوٹ ہے جو گھڑا گیا ہے، جیسے کہا جاتا ہے کہ امام مالکؒ نے کچھ رخصتوں کے ساتھ ہارون

رشید کو خاص کیا تھا، اور اپنی کتاب السیر میں ان کو ذکر کیا، یہ بھی صحیح نہیں.

امام ابو یوسفؒ تو خلیفہ مہدی اور خلیفہ ھادی کے زمانہ سے قاضی چلے آرہے تھے ہارون کے زمانہ میں بھی قاضی باقی رہے، جیسا کہ سمعانی نے اس کو ذکر کیا ہے، اور امام ابو یوسفؒ کی عادت کسی کی رعایت نہیں تھی جیسا کہ ان کی کتاب [الخراج] کے مقدمہ اور انکی مشہور سیرت سے معلوم ہے.

امام ذہبیؒ نے امام ابو یوسفؒ کی سیرت میں ایک خاص جزء لکھا ہے، اس میں ان کے علم وزہد اور تقوی کی تعریف کی ہے، اور خوب تعریف کی ہے، جب کہ معلوم ہے کہ امام ذہبی رجال کے تذکرہ میں اعتدال سے کام لیتے ہیں، بلکہ بہت سے شوافع اور احناف کے بارے میں زبان درازی بھی کی ہے جیسا کہ ان کے شاگرد تاج الدین سبکی نے [طبقات الشافعية الكبرى] میں اس کو ذکر کیا ہے. (دیکھئے طبقات ۱/۱۹۷)

امام محمد بن حسنؒ بیع عینہ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک پہاڑوں کی طرح مذموم ہے، امام ابو یوسفؒ نے اسکو جائز قرار دیا ہے، فقہاء نے فرمایا کہ امام ابو یوسفؒ کے یہاں جواز کی صورت یہ ہے کہ وہ عین مالک کی طرف لوٹ کر نہیں آئیگی، اس طرح دونوں امام اس مسئلہ میں متفق ہوجاتے ہیں.

خطیب نے معافی نہروانی کی سند سے ذکر کیا ہے کہ امام ابو یوسفؒ نے جعفر کی ماں کو اسکی مرضی کے مطابق فتوی دیا تھا، اس پر اس نے امام ابو یوسفؒ کے پاس ہدایا بھیجے اور امام نے اسکو حاضرین کے درمیان تقسیم نہیں کیا، اس کی سند میں حسین بن قاسم کوکبی ہے جو خبریں نقل کرتا ہے اور عجیب وغریب نقل کرتا ہے، اور وہ تنہا نقل کیا کرتا ہے اس کے ساتھ دوسرا کوئی شریک نہیں ہوتا، ابن حجر [لسان الميزان] میں اس کے بارے میں لکھتے ہیں کہ خبریں مشہور کرنے والا مشہور آدمی ہے اس کی خبروں میں میں نے بہت سی ناپسندیدہ باتیں دیکھیں جن کو وہ عمدہ سندوں سے بیان کرتا ہے، پھر فرمایا یہ معافی کی خبر بھی انہی میں سے ہے اسکو وہ

حسین سے نقل کرتے ہیں اور بے کار قصہ ذکر کیا.

خطیب کو اُس کا حال معلوم نہیں سوائے خیر کے، کیونکہ خطیب کو اس کے پاس جو چاہتے ہیں سب کچھ مل جاتا ہے.

معافی نے محمد بن حسن بن زیاد نقاش کی سند سے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ جعفر کی ماں کی طرف سے ہدیہ آیا تھا امام ابو یوسفؒ نے اس کو تقسیم کرنے سے انکار کردیا، نقاش مشہور جھوٹا آدمی ہے.

خطیب نے معافی کی سند سے محمد بن ابی الازھر سے نقل کیا ہے کہ ایک شخص نے قسم کھائی کہ ہارون رشید کے ہاتھ اپنی باندی کو نہ بیچوں گا نہ ہبہ کروں گا، تو امام ابو یوسفؒ نے فتوی دیا کہ آدھی فروخت کردو اور آدھی ھبہ کردو، اس افسانہ کے ساتھ اور بھی بہت سے عجیب وغریب واقعات سے دو صفحے بھر دیئے، حالانکہ خود خطیب نے اس ابن ابی ازہر کے بارے میں لکھا ہے کہ بڑا جھوٹا تھا، اسکا جھوٹ کھلا ہوا فتیح ہوا کرتا تھا. (دیکھئے ۳/۲۸۸)

اور عقیلی نے جو ذکر کیا ہے کہ امام ابو یوسفؒ یتیموں کا مال مضاربت پر دیتے تھے اور خود نفع لیتے تھے، اس کی سند میں احمد بن علی ابار ہے، جس کا تعصب ہمارے اصحاب پر عجیب وغریب تھا، خطیب کے یہاں اسکی روایات سے اس کا پتہ چلتا ہے، اور متعصب کی روایت محدثین کے یہاں مردود ہوتی ہے.

اسکے ساتھ یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ قاضی کا قبضہ یتیموں کے مال پر امانت کا قبضہ ہوتا ہے، بلا تعدی ہلاک ہونے پر ضمان نہیں ہوگا، اور اسی طرح امام ابو یوسفؒ کے مذہب میں زکوۃ یتیم کا مال کھا جائے گی، تو جب مضاربت پر دیا تو اسکا قبضہ ضمان کا قبضہ ہوگا، ہلاک ہوجائے تو ضمان ہوگا اور زکوۃ مضارب پر ہوگی، یتیم پر نہیں، تو اگر نفع یتیم کو دیا تو یہ احسان پر احسان ہوگا جیسا کہ امام کی عادت تھی.

علاوہ بریں یتیم کے مال میں تصرف اور اس میں سے عرف کے مطابق لینا اور کھانا ایسا

مسئلہ ہے جو بخاری کی شرحوں میں تفصیل سے بیان ہوا ہے کتاب وسنت کی روشنی میں، اور اس میں اختلاف مشہور ہے، لہٰذا امام ابو یوسفؒ کا یہ تصرف مان بھی لیا جائے تو اس میں ان پر کوئی ملامت نہیں، ہاں جس کی معلومات ناقص ہیں علم کی تنگ دامنی کی وجہ سے اس کو ضرور اشکال ہوگا.

موفق کی کتاب میں ہے کہ امام ابو یوسفؒ سے پوچھا گیا کہ اگر کسی نے قسم کھالی کہ اگر فلاں کام نہ کروں تو میرا مال صدقہ ہے (اب وہ کیا کرے کہ اسکا مال بچ جائے؟) فرمایا: کسی قابل اعتماد آدمی کو اپنا مال دیدے پھر وہ کام کرلے، پھر وہ مال وہ آدمی اسکو واپس دیدے.
کسی نے کہا: یہود پر اسلئے لعنت ہوئی کہ ان پر چربی حرام کی گئی، انھوں نے بیچ کر اس کی قیمت کھائی، تو امام ابو یوسفؒ نے فرمایا: بے وقوف! ان دونوں میں کیا نسبت ہے؟! وہاں یہود نے حرام چیز کو حلال بنانے کیلئے حیلہ کیا اور یہ مال تو اس کا اپنا حلال مال ہے، حیلہ کر رہا ہے تاکہ حرام نہ ہو. اھ

تنگیوں کا دور کرنا مختلف طریقوں سے ہوتا ہے، اسکو فقہاء ہی سمجھ سکتے ہیں، حضرت الاستاذ انوکھے فائق عالم سید محمد ابو زہرہ [۱] نے اپنی کتاب میں جو امام ابو حنیفہؒ سے متعلق

---

[۱] ان بزرگ عالم کے علم پر بڑے احسانات ہیں، بڑی مفید کتابیں لکھی ہیں، ان میں ابوحنیفہ، مالک، شافعی ابن حنبل کتابیں ہیں، رضی اللہ عنہم، ضخیم جلدوں میں یہ کتابیں ہیں، ہر جلد ایک امام کے بارے میں ہے، انکی زندگیوں کو بہت تفصیل سے پڑھا ہے، ان کے چھوٹے بڑے ہر قسم کے حالات معلوم کئے، اور انکا خلاصہ ان کتابوں میں درج فرمایا، جسکو پڑھنے سے ان ائمۂ ہدایت کے حالات جاننے والوں کو پوری تشفی ہوجاتی ہے، یہ ایک جدید اور صحیح طریقہ ہے، اس سے نوجوان نسل کو شوق ہوتا ہے کہ ائمۂ اسلام کی علمی وراثت کا اہتمام کرے، اسلئے مصنف علّام ہر طرح کی تعریف وتوصیف کے مستحق ہیں، اللہ تعالےٰ ان کو علم کی طرف سے بہترین بدلہ دے اور ان کو مزید توفیق ارزانی فرمائے، اس دعا میں میں کوئی حرج نہیں سمجھتا. (کوثری)

ہے اس بحث کو بہت تفصیل سے لکھا ہے، آپ قاہرہ میں کلیۃ الحقوق میں شریعت کے استاذ ہیں، آپ کی بحثیں ایسی ہی ہوا کرتے ہیں.

[زغل العلم] کے حاشیہ میں میں نے لکھا ہے کہ امام ذہبی نے امام محمدؒ کے تذکرہ میں جو جزء لکھا ہے اس میں طحاوی سے نقل کیا ہے، وہ احمد بن ابی عمران سے، وہ محمد بن سماعہ سے نقل کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ امام محمد بن حسنؒ سے میں نے سنا فرمارہے تھے کہ یہ کتاب ہماری کتاب نہیں ہے، اس میں باہر سے ڈالا گیا ہے. اھ اس سے مراد [کتاب الحیل] ہے جو اس زمانہ میں غیر محتاط لوگ استعمال کیا کرتے تھے [۲] مصنف کا نام کتاب میں نہیں تھا، لوگوں نے سمجھا کہ یہ امام ابوحنیفہؒ کے شاگردوں کی کتاب ہے حالانکہ ایسا نہیں تھا.

شمس الائمہ سرخسی نے مبسوط میں فرمایا: ابوسلیمان جوزجانی اس کتاب کا انکار کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ جو کہے کہ امام محمدؒ نے کوئی کتاب [الحیل] کے نام کی لکھی ہے اس کی بات مت ماننا، لوگوں کے ہاتھ میں جو کچھ ہے اس کو بغداد کے کاتبوں نے جمع کیا ہے، اور فرمایا: جاہل لوگ ہمارے علماء کی طرف باتیں بدل کر منسوب کرتے ہیں، تو امام محمدؒ کے بارے میں کیسے گمان ہوسکتا ہے کہ انھوں نے اپنی کتاب کا نام ایسا رکھا ہوگا، یہ تو جاہلوں کی ان کے غلط کام پر مدد ہوگی (یہ نہیں ہوسکتا ہے).

باقی ابوحفص کبیرؒ فرمایا کرتے تھے کہ یہ امام محمدؒ کی کتاب ہے اور یہی صحیح ہے. اھ

سرخسی نے لمبی گفتگو کی ہے اور بتایا ہے کہ تنگیوں سے نکلنے کیلئے کتاب وسنت میں دلیل موجود ہے، حیلہ کا مطلب مکر وفریب نہیں ہے بلکہ اس سے مراد ایسی لطیف تدبیر ہے جو نص کے خلاف بھی نہ ہو اور تنگی سے نکالدے.

---

[۲] بعد میں لوگوں نے امام ابوحنیفہؒ کی طرف اس کی نسبت کرنے کیلئے ایک سند بھی بنائی جس میں جھوٹے اور مجہول لوگ ہیں دیکھئے تانیب الخطیب ص ۱۲۱ . (کوثری)

جوزجانی اور ابوحفص کبیر امام محمدؒ کی کتابوں کے نقل کرنے میں دو بڑے رکن ہیں، میرا خیال یہ ہے کہ ان دونوں کی باتیں اثبات ونفی میں متعارض نہیں ہیں، بلکہ دونوں باتوں کا تعلق دو کتابوں سے ہے، جس کی نفی ہے اس سے مراد ایسی کتاب ہے جس میں مسائل کو ایسی شکل دی گئی ہے جو شریعت کی حکمت کے خلاف ہے، ہمارے اصحاب اس سے بَری ہیں، اور جس کا اثبات ہے اس سے مراد وہ کتاب ہے جو ابوحفص نے امام محمدؒ سے حاصل کی اس میں ایسے مسائل ہیں جو تنگی سے نکالتے ہیں اس طرح کہ اس سے کوئی حق باطل نہیں ہوتا اور کوئی باطل ثابت نہیں ہوتا اور شریعت کی حکمت میں بھی کوئی خلل نہیں آتا، اسطرح جوزجانی جھوٹی کتاب کی امام محمدؒ کی طرف نسبت کا انکار کرنے میں سچے ہیں، اور ابوحفص کبیر امام محمدؒ کی طرف ایسے مسائل کی نسبت کرنے میں سچے ہیں جو مشروع طریقہ پر تنگیوں سے نکالتے ہیں .

أبو حفص كبير

ابوحفص کبیر کا نام احمد بن حفص بن زبرقان العجلی ہے، بخارٰی کے رہنے والے ہیں، امام شافعیؒ کے ہم عمر ہیں، بخارٰی سے عراق بہت پہلے منتقل ہوئے، اسلئے امام محمدؒ سے وہ کتابیں سنیں جو جوزجانی نہیں سن سکے اور جوزجانیؒ نے امام محمدؒ سے وہ کتابیں سنیں جو ابوحفص نہیں سن سکے، جیسے سِیَر کبیر، اسلئے کہ ابوحفص کبیر بخارٰی جلدی واپس آگئے تھے ابھی امام محمدؒ نے یہ کتاب ظاہر نہیں کی تھی .

بہر حال نفی اور اثبات ایک کتاب سے متعلق نہیں (اسلئے کوئی اشکال نہیں) .

شمس الائمہ جو مسائل ابوحفص کبیر سے نقل کرتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں صواب اور حکمت کے خلاف کوئی بات نہیں ہے، ابوحفص بڑے امام ہیں، عراق بہت پہلے تشریف لے گئے اور بہت سا علم حاصل کر کے بخارٰی لوٹے اور وہاں علم کو پھیلایا،

یہاں تک کہ بخارٰی ان کی کوششوں سے اسلام کا علمی قبہ بن گیا، لوگوں نے ان سے سفیان ثوری کی جامع، ابن مبارک کی تصنیفات اور امام وکیع کی تالیفات سنیں، اور انکے ذریعہ لوگ فقیہ بنے، حتی کہ بخارٰی کے ہر گاؤں میں فقہاء کی ایک جماعت انکے شاگردوں کی تیار ہوئی .

سَمعانی نے الخَیراخَزِی کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ خیراخز کی طرف نسبت ہے جو بخارٰی کا ایک گاؤں ہے، اس میں ابوحفص کبیر کے شاگردوں کی ایک جماعت تھی جو فقیہ تھے .

ابوحفص کبیرؒ امام بخاریؒ صحیح بخارِی کے مصنف کے ابتدائی اساتذہ میں سے ہیں، امام بخاریؒ نے سفر شروع کرنے سے پہلے ان سے پڑھا تھا .

تاریخ خطیب ۲/۷ میں ہے کہ امام بخاریؒ نے ابن المبارک کی کتابیں اور امام وکیع کی کتابیں یاد کر لی تھیں اور ان کا کلام جان لیا تھا، یعنی اہل الرائے کی فقہ بھی، اس وقت انکی عمر سولہ سال کی تھی، اسی کتاب میں ۲/۱۱ میں یہ ہے کہ انہی ابوحفص سے سفیان ثوری کی جامع سنی تھی اور امام بخاری کی جوانی کا ایک قصہ بھی ذکر کیا جس سے ان کے عمدہ حافظہ کا پتہ بھی چلتا ہے .

ابوحفص کے بیٹے محمد جو ابوحفص صغیر سے مشہور ہیں امام بخاری کے طلب علم کے ساتھی ہیں، ذہبی نے سیَر اعلام النبلاء میں ان کی تعریف کی ہے، مولانا عبدالحئیؒ لکھنویؒ (فرنگی محلی) نے الفوائد البھیہ میں ان کا تذکرہ کیا ہے، امام بخارِیؒ کو بخارٰی سے نکالنے کے قصہ میں یہی تھے ان کے والد نہیں، اُن کا پہلے انتقال ہو چکا تھا .

ان کی کئی تصنیفات ہیں ان میں سے ایک [كتاب الرد على أهل الأهواء] ہے [1]

---

[1] دار الکتب المصریہ میں جو کتاب اس نام سے ہے وہ انکی تصنیف نہیں ہے اگرچہ ایسا سمجھ لیا گیا ہے. (کوثری)

ابوبکر محمد بن جعفر نرشخی نے ۳۳۲ھ میں نوح بن نصر بن احمد بن اسماعیل سامانی کیلئے ، [تاریخ بخاری] لکھی ، اس میں بخاری کی ایک جگہ دَرِحق رہ (جس کا معنی ہے راہِ حق کا دروازہ) کا حال بیان کرتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ ابوحفص کبیر اسی محلّہ میں رہتے تھے، یہیں سے بغداد گئے اور امام محمد بن حسن شیبانیؒ سے فقہ حاصل کر کے فقیہ بن کر آئے، علم وزہد کے جامع تھے، ان شہروں میں ان جیسا کوئی نہیں تھا، بخاری ان پر فخر کرتا تھا، بخاری میں انکے ذریعہ علم عام ہوا، یہاں تک کہ بخاری اسلام کا قبہ ہوگیا، اور ان کے ذریعہ ائمہ اور علماء امت نے وہاں بہت عزت پائی. اھ

پھر نرشخی نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ امراء اور حکام ان سے کیسے ڈرا کرتے تھے، اور یہ واقعہ بھی ذکر کیا کہ امیر محمد بن طالوت ایک دفعہ ابوحفص کبیر کی زیارت کو آیا، اجازت لے کر اندر آیا لیکن ہیبت کی وجہ سے بات نہیں کرسکا اور نکل گیا، اور کہا کہ میں خلیفہ اور ان کے علاوہ بڑے بڑے لوگوں کے پاس گیا ہوں لیکن اتنا نہیں ڈرا جتنا یہاں ڈرا .

یہ بھی ذکر کیا کہ کثرت سے قرآن کی تلاوت کیا کرتے تھے ان کی تلاوت روزانہ آدھے ختم سے کم نہ ہوتی تھی .

محمد بن سلام بیکندی بخاری کے حافظ سے ذکر کیا گیا ہے کہ انھوں نے خواب میں دیکھا کہ آنحضرت ﷺ بخاری تشریف لا رہے ہیں ایک اونٹ پر سوار ہیں، اس کی وہی ہیئت ہے جو حدیث میں آئی ہے، آپ کے سر پر سفید ٹوپی ہے، آپ کے تشریف لانے سے لوگ بہت خوش ہیں، لوگوں نے حضرت کو ابوحفص کبیر کے گھر اتارا اور ابوحفص کو دیکھا کہ آپ کے آگے بیٹھے ہوئے ہیں، کوئی کتاب پڑھ رہے ہیں اور آپ ﷺ غور سے سن رہے ہیں، اور ان کی تصدیق کر رہے ہیں .

پھر ذکر کیا کہ ابوحفص کی وفات ۲۱۷ھ میں ہوئی اور ایک ٹیلہ میں دفن کئے گئے جس کو ابوحفص کا ٹیلہ کہتے ہیں اور وہاں مسجدیں اور عبادت خانے ہیں جن میں مجاورین رہتے ہیں

اور لوگ اس جگہ سے برکت حاصل کرتے ہیں .

اور یہ بھی ذکر کیا کہ عراق کے علماء مشکل مسائل ابوحفص اور ان کے تلامذہ پر پیش کیا کرتے تھے، اور بتایا کہ علم اور تعلیم اور عبادت میں کس طرح مشغول رہا کرتے تھے، ان کے بیٹے ابوحفص صغیر بھی اونچا مقام رکھتے تھے .

ابونصر احمد بن محمد قباوی نے اس تاریخ کو فارسی میں ۵۲۲ھ میں ترجمہ کیا، اور محمد بن زفر بن عمر نے ۵۷۴ھ میں اس کا خلاصہ کیا، فارسی ترجمہ باریز (پیرس) میں ۱۸۹۲ء میں شائع ہوا، اصلی عربی کتاب کا کچھ حصہ بھی وہیں چھپا .

جو کوئی علم وورع میں اس امام کی جلالت شان سے ناواقف ہو اس کیلئے ضروری ہے کہ وہ اپنی جہالت کو علماء کے مراتب کو جاننے کیلئے معیار نہ بنائے جو چاہے اصل اور ترجمہ کو ص ۵۴ سے ۵۶ تک دیکھ لے .

(امام ابو یوسفؒ کی وفات)

ابن ابی العوام نے محمد بن احمد بن حماد سے، انھوں نے احمد بن قاسم برتی سے، انھوں نے بشر بن الولید سے نقل کیا کہ امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم قاضی رحمہ اللہ کا انتقال جمعرات کو ظہر کے وقت ۵/ربیع الاول ۱۸۲ھ میں ہوا .

خطیب نے خلیفہ بن خیاط اور یعقوب بن سفیان اور ابوحسان زیادی سے اس سال پر اتفاق ذکر کیا، لیکن یعقوب نے ربیع الاول کے بجائے ربیع الآخر کہا، قابل اعتماد بشر ابن الولید کی بات ہے، اسلئے کہ وہ ان کے ساتھ ہمیشہ رہنے والے شاگرد تھے برخلاف یعقوب فسوی کے، ہیثم بن عدی کے کلام میں سن وفات ۱۷۲ھ سبقت قلمی ہے، اسی طرح صیمری کے یہاں شباب عصفری کی طرف جو خلیفہ بن خیاط ہیں ۱۸۱ھ منسوب ہے یہ بھی صحیح نہیں .

صیمری نے واقدی سے بذریعہ ابن سعد یہ نقل کیا ہے کہ وفات ۱۸۲ھ میں ہوئی، یہ جمہور کے مطابق ہے .

خطیب نے برقانی کے طریق سے عبدالرحمٰن خلال سے، انھوں نے محمد بن احمد بن یعقوب سے، انھوں نے اپنے والد سے، انھوں نے شجاع بن مخلد سے نقل کیا کہ ہم امام ابو یوسف قاضی کے جنازہ میں شریک ہوئے، ہمارے ساتھ عبّاد بن العوام بھی تھے وہ فرمارہے تھے کہ مسلمانوں کے لئے مناسب ہے کہ ایک دوسرے کی امام ابو یوسفؒ کی وجہ سے تعزیت کریں .

ابن ابی العوام نے طحاوی سے ۱؎ انھوں نے ابن ابی عمران سے، انھوں نے داود ابن وھب سے، ان سے عبدالرحمٰن قوّاس نے بیان کیا۔ اور ابن ابی عمران نے فرمایا کہ میں نے ابن الثلجی سے سنا فرمارہے تھے کہ بغداد میں قواس سے افضل کوئی نہیں تھا ۔ قواس کہتے ہیں کہ معروف کرخی نے فرمایا امام ابو یوسفؒ قاضی کی خبر کیا ہے؟ میں نے کہا بیمار ہیں، مجھ سے فرمایا اگر کوئی واقعہ پیش آجائے تو مجھے خبر کرنا، مجھ سے چھپانا نہیں، کہتے ہیں کہ میں فوراً نکلا تاکہ ان کی خبر معلوم کروں، جب میں دارالرقیق کے دروازہ کے پاس پہونچا تو دیکھا کہ امام ابو یوسفؒ کا جنازہ ہے اور لوگ اس کے ساتھ ہیں، میں جنازہ کے ساتھ چلا گیا، میں نے سوچا اگر میں ابو محفوظ (معروف) کے پاس جاؤں تو میرا جنازۃ چھوٹ جائیگا اور ان کو بھی نہیں مل سکے گا کیونکہ جگہ دور تھی، جب میں لوٹا تو معروف کرخی کے پاس گیا اور انکو خبر دی اور بتایا کہ اگر میں آپ کے پاس آتا تو آپ کو جنازۃ نہ ملتا، اس پر دیکھا کہ جنازہ چھوٹنے پر ان کو غم ہوا، میں نے کہا آپ کو کیوں غم ہے؟ فرمایا: میں نے اسی رات میں خواب دیکھا کہ میں

۱؎ طحاوی کی کتاب (امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کے بارے میں) مزے دار کتاب ہے، مناقب کی کتابوں میں اسکی نقول بھری ہوئی ہیں، ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالی اس کو شائع کرنے کی توفیق دیں، ابن ابی العوام کی کتاب اسی طرح صیمری کی کتاب طباعت کیلئے تیار ہے، یہ دونوں بھی اس موضوع پر بہت نفع بخش کتابیں ہیں. (کوثری)

جنت میں داخل کیا گیا، وہاں ایک خوبصورت محل دیکھا، میں نے پوچھا یہ محل کس کا ہے؟ لوگوں نے بتایا یعقوب قاضی کا، میں نے کہا کس وجہ سے وہ اسکے مستحق ہوئے؟ لوگوں نے کہا: علم سکھانے کی وجہ سے اور اسلئے کہ لوگ کثرت سے انکی عیب جوئی کرتے تھے .اھ ۱؎

خطیب نے اسکو دوسری سند سے ذکر کیا، اسکے آخر میں ہے:" پھر میں معروف کے پاس آیا اور انکو خبر دی تو ان کو بہت گرانی ہوئی اور انا للہ پڑھنے لگے، میں نے کہا اے ابو محفوظ! آپ کو انکے جنازہ چھوٹنے پر اتنا افسوس کیوں ہے؟ فرمایا: میں نے دیکھا کہ گویا میں جنت میں داخل ہوا، وہاں ایک محل بنا ہوا ہے، اسکی بلندی پوری ہوچکی ہے اور گچ لگائی جاچکی ہے، دروازے اور پردے لگ چکے ہیں اور کام پورا ہوچکا ہے، میں نے کہا کس کا ہے یہ؟ لوگوں نے کہا ابو یوسفؒ قاضی کا، میں نے کہا کس وجہ سے ان کو یہ ملا؟ لوگوں نے کہا لوگوں کو خیر سکھانے اور اس پر حریص ہونے کی وجہ سے اور اسلئے کہ لوگ ان کو اذیت پہونچایا کرتے تھے ." اھ

ابن عبدالبر، خطیب، صیمری اور ابن ابی العوام وغیرہ نے ابورجاء کا ایک خوش کن خواب ذکر کیا ہے کہ میں نے امام محمدؒ کو خواب میں دیکھا، میں نے کہا: اللہ تعالے نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ فرمایا: مغفرت فرمادی، پوچھا: امام ابو یوسفؒ کا کیا ہوا؟ فرمایا: وہ مجھ سے اوپر درجہ میں ہیں، میں نے پوچھا: امام ابوحنیفہؒ؟ فرمایا: وہ تو بہت دور ہیں اعلی علیین میں .

ابن ابی العوام نے طحاویؒ سے نقل کیا، انھوں نے ابن ابی عمران سے، انھوں نے حسین بن عبدویہ سے کہ امام ابو یوسفؒ کا جب جنازہ نکلا تو حاضرین میں وراق ابو یعقوب حریمی بھی تھے، لوگ کہنے لگے: فقیہ کا انتقال ہوا، فقیہ کا انتقال ہوا، تو ابو یعقوب نے اشعار پڑھے:

۱؎ مناقب کردری میں ہے کہ امام ابو یوسفؒ نے انتقال کے وقت مکہ والوں کیلئے ایک لاکھ کی وصیت کی تھی، اسی طرح مدینہ والوں، کوفہ والوں اور بغداد والوں کیلئے بھی ایک ایک لاکھ کی وصیت کی تھی ص ۳۹۰ (از مترجم)

يا ناعي الفقه الى أهله — ان مات يعقوب و ما يدرى
لم يمت الفقه و لكنه — حُوّل من صدر الى صدر
القاه يعقوب الى يوسف — فزال من ظهر الى ظهر
فهو مقيم فاذا ثوى — حل و حل الفقه فى قبر

(ترجمہ) :اے فقہاء کوفقہ کی موت کی خبر دینے والے! اگر یعقوب کا انتقال ہوا تو اسکو کیا پتہ ' فقہ کا انتقال نہیں ہوا، بلکہ وہ ایک سینہ سے دوسرے سینہ کی طرف منتقل ہوگیا، یعقوب نے یوسف کو سکھا دیا، تو فقہ ایک پشت سے دوسری پشت میں منتقل ہوگیا، فقہ موجود ہے جب اس کا انتقال ہوگا تو وہ اور فقہ دونوں قبر میں منتقل ہوجائیں گے ۔

محمد بن احمد بن حماد بن یعقوب بن الفرجی نقل کرتے ہیں ابوحسان زیادی حسن بن عثمان سے، وہ فرماتے ہیں کہ ہارون رشید کے قاضی ' امام ابو یوسفؒ تھے،، انھوں نے اپنے بیٹے یوسف کو اپنی جگہ قاضی بنایا تھا ، وہ فیصلہ کیا کرتے تھے حتی کہ ان کا انتقال ہوا ۔

اور محمد بن جعفر بن علی حسن بن حماد حضرمی سجادہ فرماتے تھے کہ میں امام ابو یوسف کے بیٹے یوسف کو فرماتے سنا کہ میں قاضی رہا، مجھ سے قبل میرے والد بھی قاضی رہے، ہماری ولایت تیس (۳۰) سال رہی، کبھی دادا اور بھائی کے درمیان ہم کو فیصلہ نہیں کرنا پڑا۔ اھ

قاضی وکیع فرماتے ہیں کہ مجھ کو احمد بن ابی خیثمہ نے بتایا، مفضل بن غسان سے نقل کر کے، انھوں نے علی بن صالح سے نقل کیا کہ ابو یوسفؒ موسی ھادی کیلئے قاضی بنائے گئے، اور ہر چیز میں فیصلہ کیا کرتے تھے، شریکؒ کوفہ میں تھے، امام ابو یوسفؒ اور عافیہ نے مھدی سے انکی شکایت کی اور کہا کہ وہ ہماری تحریر کو نافذ نہیں کرتے اور ہماری طرف توجہ نہیں کرتے ۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ امام ابو یوسفؒ مہدی کے زمانہ میں موسی کیلئے ان کے دروازہ پر قاضی بنائے گئے ۔

علی بن صالح فرماتے ہیں کہ امام ابو یوسفؒ اور ہم مہدی کے زمانہ میں موسی کے ساتھ جرجان گئے، تو مہدی نے یوسفؒ کو انکے باپ کی جگہ قاضی بنایا جبکہ ہم جرجان میں تھے ۔

وکیع قاضی نے فرمایا کہ مجھے ابراہیم بن ابی عثمان نے عبداللہ بن عبدالکریم حواری سے نقل کر کے بتایا کہ یوسف بن امام ابو یوسفؒ پاک دامن، قابل اعتماد، سچے آدمی تھے، امام ابو یوسفؒ نے انکو اپنی اکثر کتابیں پڑھ کر سنائیں، وہ امام ابو یوسفؒ سے زیادہ قضاء کا انتظام جانتے تھے اور اس کو زیادہ ضبط کرنے والے تھے، البتہ انکو نظر اور حافظہ میں زیادہ وسعت حاصل نہیں تھی، قاضی کہتے ہیں کہ اپنے والد سے حدیث حاصل کی تھی۔ اھ

امام ابو یوسفؒ کے جنازہ میں ہارون آگے آگے تھے، خود نماز پڑھائی اور اپنے خاندان کے قبرستان میں دفن کیا اور دفن کے بعد فرمایا: مسلمانوں کیلئے مناسب ہے کہ ایک دوسرے کو تسلی دیں، ان کی قبر قریش کے قبرستان میں کرخ بغداد میں ہے، انہی کے قریب محمد امین اور زبیدہ مدفون ہیں، حضرت موسی کاظم رحمہ اللہ بھی بعد میں مدفون ہوئے، امام ابو یوسفؒ کی قبر آباد ہے، کاظمیہ میں اسکی زیارت کی جاتی ہے، رضی اللہ عنہ وأرضاہ، انکے بیٹے یوسف قاضیؒ کا انتقال رجب ۱۹۲ھ میں ہوا جیسا کہ ثقات ابن حبان میں مذکور ہے، رحمہ اللہ وأرضاہ. خطیب نے بھی ان کا تذکرہ لکھا ہے ۔

حافظ عبدالقادر قرشی نے فرمایا کہ یوسفؒ نے کتاب الآثار اپنے والد سے نقل کیا، انھوں نے امام ابوحنیفہؒ سے [1] یہ ایک ضخیم جلد میں ہے، ایک ناقص نسخہ سے یہ طبع بھی ہوگئی ہے، ان کے تذکرہ میں ایک رسالہ بغداد میں طبع ہوا ہے ایک نوجوان ادیب کا، ابھی مجھے ملا نہیں ہے کہ میں فائدہ اٹھاؤں، یہ قابل شکر یہ عمل ہے اس نوجوان کی طرف سے، اللہ تعالے اس کی

[1] اس سے معلوم ہوا کہ کتاب الآثار امام ابوحنیفہؒ کی تصنیف ہے نہ کہ امام ابو یوسفؒ کی، اس کے لئے ہدیۃ الدراری ص ۱۱۵ اور ابن ماجہ اور علم حدیث ص ۱۶۹ مولفہ مولانا محمد عبدالرشید نعمانیؒ دیکھنی چاہئے ۔
فضل الرحمٰن اعظمی

حفاظت فرمائے اور اس کے اس عمل پر اس کو بدلہ دے ۔

یہ امام ابو یوسفؒ امام ابو حنیفہؒ کے ان شاگردوں میں سے ایک ہیں جو امام ہوئے، ابن حجر مکی شافعیؒ نے فرمایا: امام ابو حنیفہؒ کی شاگردی بڑے بڑے ائمہٴ مجتہدین اور علماء راسخین نے کی، جیسے عبداللہ بن مبارک، لیث بن سعد، امام مالک بن انس ۔

یہ بھی فرمایا: کہ بعض ائمہ کا ارشاد ہے کہ مشہور ائمہٴ اسلام میں سے کسی کو ایسے ساتھی اور شاگرد نہیں ملے جیسے امام ابو حنیفہؒ کو میسر ہوئے، علماء اور عام لوگ جتنا امام ابو حنیفہؒ سے منتفع ہوئے کسی اور سے منتفع نہیں ہوئے ۔

مجد ابن الاثیر نے جامع الاصول میں لکھا ہے کہ پرانے زمانہ سے آدھی امت امام ابو حنیفہؒ کے مذہب پر ہے، اور ملا علی قاریؒ نے مشکوۃ کی شرح میں لکھا ہے کہ امت محمدیہ کا دو تہائی حصہ امام ابو حنیفہؒ کے مذہب پر ہے ۔ **ذالک فضل اللہ یؤتیه من یشاء**

(امام ابو حنیفہؒ کی امام ابو یوسفؒ کو وصیت)

(یہ بہت اہم وصیت ہے)

امام ابو یوسفؒ امام ابو حنیفہؒ سے ایک وصیت نقل کرتے ہیں جس میں اہلِ سنت کے اعتقادات بیان ہوئے ہیں، ہمارے متکلمین احناف اس کو برابر نقل کرتے چلے آرہے ہیں، اسی طرح امام ابو یوسفؒ کے ذریعہ سے امام اعظمؒ کا وہ رسالہ بھی نقل کرتے ہیں جو امام صاحب نے بصرہ کے عالم عثمان بن مسلم بتی کے نام لکھا تھا جس میں ارجاء کا مسئلہ مذکور ہے ۔

امام اعظمؒ کی ایک اور وصیت بھی ہے جو انھوں نے امام ابو یوسفؒ کو کی تھی جب ان کی سمجھداری، اچھی سیرت اور لوگوں کی طرف توجہ ظاہر ہوئی تھی، اس میں بتا رہے ہیں کہ لوگوں کی دیکھ بھال کس طرح کریں، یہ پوری وصیت موفق مکی کی مناقب، فتاوی بزازیہ کے

مصنّف کی مناقب، اور ابن نجیم کی الاشباہ والنظائر اور دوسری کتابوں میں مذکور ہیں ۔

اس میں استاذ نے اپنے شاگرد کو یہ بتایا ہے کہ لوگوں کے ساتھ کس طرح معاملہ کریں، نہایت مضبوط بنیادوں پر اور جامع اور نفع بخش طریقہ پر، یہ وصیت ہمیشہ اہل علم کو تعلیم و ارشاد میں کامیابی اور توفیق کا راستہ بتاتی رہی ہے، اسلئے میں اس انتہائی قیمتی نصیحت سے اپنی کتاب کو خالی رکھنے پر راضی نہیں ہوا ۔ اس میں امام صاحب فرماتے ہیں :

اے یعقوب! بادشاہ کی تعظیم کرنا اور انکے درجہ کو بڑا سمجھنا، ان کے سامنے جھوٹ مت بولنا اور ہر وقت اور ہر حال میں ان کے پاس مت جانا، جب تک کسی علمی ضرورت سے تم کو نہ بلائیں، اگر بہت جاؤ گے تو بے وزن ہو جاؤ گے اور وہ تمکو ہلکا سمجھیں گے، اور تمہارا رتبہ انکی نگاہ میں کم ہو جائے گا، تمہارا معاملہ ان کے ساتھ ایسا ہونا چاہئے جیسا کہ آگ کے ساتھ ہوتا ہے کہ اس سے فائدہ اٹھاتے ہو مگر دور سے، اس کے قریب نہیں جاتے ورنہ جل جاؤ گے اور تکلیف ہوگی، کیونکہ بادشاہ اپنا حق جیسا سمجھتا ہے کسی اور کا ایسا حق نہیں مانتا، اس کے سامنے بہت بات مت کرنا ورنہ تمہاری باتوں پر گرفت کرے گا اور درباریوں کو یہ دکھلائیگا کہ میں ان سے زیادہ جانتا ہوں کہ انکی غلطی پکڑتا ہوں، اس طرح اپنی قوم کی نگاہ میں تم بے وزن ہو جاؤ گے، اور جب اس کے پاس جاؤ تو اپنا مرتبہ بھی پہچانو اور دوسروں کا بھی، ایسی حالت میں اس کے پاس مت جاؤ جب اس کے یہاں ایسے عالم ہوں جن کو تم پہچانتے نہیں کیونکہ اگر تم ان سے کم تر ہو تو شاید تم اپنی بڑائی ظاہر کرو اس سے تم کو نقصان ہوگا اور اگر تم ان سے بڑے عالم ہو تو شاید تم انکے سامنے چھوٹے بنو تو پھر بادشاہ کی نگاہ سے گر جاؤ گے ۔

اگر وہ تم کو اپنا کچھ کام حوالہ کرے تو اسکو قبول نہ کرنا جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ وہ تمکو اور تمہارے مذہب کو علم اور فیصلوں میں پسند کرتا ہے تا کہ تم کو فیصلوں میں دوسرے کا مذہب نہ اختیار کرنا پڑے، بادشاہ کے دوستوں اور درباریوں سے بہت میل جول مت رکھنا، صرف بادشاہ سے قریب ہونا، درباریوں سے دور رہنا تا کہ تمہارا مرتبہ اور مقام باقی رہے،

عام لوگوں کے سامنے صرف وہی بات کرو جس کا تم سے سوال کیا جائے، معاملات اور تجارت کے بارے میں بات کرنے سے پرہیز کرنا، صرف وہی بات کرنا جسکا علم سے تعلق ہو ورنہ لوگ سمجھیں گے کہ انکو مال کی لالچ ہے، اور تمہارے بارے میں بدگمانی میں پڑیں گے، اور سمجھیں گے کہ یہ ہم سے رشوت لے لیں گے، عام لوگوں کے سامنے ہنسنا اور مسکرانا بھی نہیں، بازار بہت مت جانا، بلوغ کے قریب بچوں سے بات مت کرنا، یہ فتنہ ہیں، بچوں سے بات کرسکتے ہو اور انکے سر پر ہاتھ پھیر سکتے ہو، اور عام راستہ میں بوڑھے عوام کے ساتھ مت چلنا، اسلئے کہ اگر انکو آگے کروگے تو ہمارے علم کی بے قدری ہوگی اور اگر ان کو پیچھے کروگے تو یہ تمہارے لئے عیب کی بات ہوگی کہ وہ عمر میں تم سے بڑے ہیں اور آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو بڑوں کی تعظیم نہ کرے اور چھوٹوں پر رحم نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں، راستہ کے کنارے مت بیٹھنا، اگر ضرورت ہو تو مسجد میں بیٹھنا، دکانوں پر مت بیٹھنا، بازاروں اور مساجد میں مت کھانا، اور سبیل پر پانی پلانے والوں کے ساتھ پانی مت پینا، دیباج اور ریشم کی کوئی قسم اور زیور مت پہننا اس سے تکبر پیدا ہوگا۔

اور اپنے گھر میں اپنی بیوی کے ساتھ بستر پر زیادہ بات مت کرنا، صرف ضرورت کے وقت بقدر ضرورت بات کرنا، اسکو زیادہ چھونا اور ٹٹولنا بھی نہیں، اور اس سے قربت بھی مت کرنا مگر اللہ تعالی کے ذکر اور استخارہ کے ساتھ، بیوی کے سامنے غیر کی عورتوں کا تذکرہ مت کرنا، باندیوں کا تذکرہ بھی نہیں، اس سے اس کو تمہارے ساتھ بات کرنے میں بے تکلفی ہوگی، اگر تم اس سے کسی اور عورت کی بات کروگے تو وہ تم سے اجنبی مردوں کی بات کریگی، جہاں تک ہوسکے ایسی عورت سے شادی مت کرنا جس کا شوہر رہا ہو یا باپ یا ماں یا بیٹی ہو مگر اس شرط کے ساتھ کہ اس کے رشتہ داروں میں سے کوئی اس کے پاس نہ آئے، کیونکہ عورت اگر مالدار ہے تو اس کا باپ دعوی کرے گا کہ اس کا سارا مال میرا ہے، اس کے پاس بطور عاریت کے ہے، اور جہاں تک ہوسکے اسکے والدین کے گھر مت جانا اور اس پر راضی

مت ہونا کہ اسکی رخصتی ان کے گھر میں ہو، ایسا ہو تو تمہارا سارا مال لے لیں گے، اور تم سے بہت لالچ رکھیں گے، اور کسی ایسی عورت سے شادی مت کرنا جس کے پاس بچے اور بچیاں ہوں، ایسی عورت سارا مال اس کیلئے جمع کرے گی، اور تمہارے مال میں سے چوری بھی کرے گی، اور ان پر خرچ کرے گی، کیونکہ اولاد اس کو تم سے زیادہ محبوب ہوگی، اور ایک گھر میں دو بیویاں مت جمع کرنا، اور شادی مت کرنا مگر اس وقت جب تم کو یقین ہو کہ تم اس کی تمام ضرورتیں پوری کرسکو گے، اور پہلے علم طلب کرنا پھر حلال کمائی جمع کرنا پھر شادی کرنا، اسلئے کہ اگر طلبِ علم کے زمانہ میں مال حاصل کرنے میں لگ گئے تو تعلیم رہ جائیگی، مال حاصل کرنے کے بعد باندیوں اور غلاموں کی خریداری میں لگ جاؤ گے اور دنیا میں مشغول ہوجاؤ گے، علم حاصل کرنے سے پہلے عورتوں کے ساتھ مشغول مت ہونا تمہارا علم ضائع ہوجائیگا، اور بچوں اور عیال کی کثرت ہوجائیگی، انکی ضروریات پوری کرنے میں لگ جاؤ گے اور علم چھوڑ کر بیٹھ جاؤ گے، نوجوانی میں جبکہ دل کو اطمینان اور فراغ حاصل ہے علم حاصل کرلو، پھر مال کماؤ تا کہ مال جمع ہوجائے، کیونکہ مال و عیال کی کثرت دل کو پریشان کردیتی ہے، مال جمع کرلو تو شادی کرو۔

ہمیشہ تقوی اختیار کرنا اور امانت ادا کرنا، عام اور خاص ہر شخص کے ساتھ خیر خواہی کرنا، لوگوں کو حقیر مت سمجھنا، ان کی توقیر و تعظیم کرنا، انکے ساتھ زیادہ میل جول مت رکھنا مگر اس وقت جبکہ لوگ بھی تمہارے ساتھ میل جول رکھیں، اور جب انکے ساتھ ہو تو مسائل کا تذکرہ کرنا، اگر وہ لوگ اہل علم ہوں گے تو علم میں مشغول ہوں گے ورنہ الگ ہوجائیں گے، عام لوگوں سے اصول دین اور کلام کی بات مت کرنا، ورنہ تمہاری پیروی کرکے وہ بھی اس میں مشغول ہوجائیں گے۔

کوئی تمہارے پاس مسئلہ پوچھنے آئے تو صرف اس کے سوال کا جواب دینا، دوسری بات اس میں مت ملانا اس سے اس کو تشویش ہوگی اور اگر دس سال بھی تم بغیر کمائی اور

روزی کے رہوتب بھی علم سے اعراض مت کرنا، اگر علم سے اعراض کیا تو تمہاری زندگی تنگ ہوجائیگی جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا: و مَن أَعرَضَ عن ذِكرِی فاِنَّ لَه مَعیشَةً ضَنكاً .

(طٰه آیت ١٢٤)

اور اپنے شاگردوں کی طرف جو تم سے فقہ حاصل کررہے ہیں پوری توجہ کرنا گویا کہ تم نے ان میں سے ہر ایک کو اپنا بیٹا اور اولاد بنالیا ہو، اس سے ان میں علم کی طلب بڑھے گی ، اگر کوئی معمولی عام آدمی تم سے بحث ومباحثہ کرنا چاہے تو اس سے بحث مت کرنا اس سے تمہاری آبرو ضائع ہوگی ، حق بات کسی سے کہنے میں جھجکنا اور شرمانا نہیں اگرچہ وہ بادشاہ ہو، دوسرے لوگ جتنی عبادت کرتے ہیں تمہاری عبادت ان سے زیادہ ہونی چاہئے ، اسلئے کہ عام لوگ جب تمہاری توجہ عبادت کی طرف اپنے سے زیادہ نہیں دیکھیں گے تو تمہارے بارے میں برا اعتقاد رکھیں گے ، اور تمہاری طرف کم توجہ کریں گے ، اور سمجھیں گے کہ تمہارا علم تم کو نفع نہیں دے رہا ہے مگر اتنا ہی جتنا ان کو انکا جھل دے رہا ہے جس میں وہ ہیں .

جب کسی ایسے شہر میں جاؤ جہاں علماء ہیں تو اس شہر کو اپنا شہر مت سمجھو بلکہ یوں سمجھو کہ جیسے بہت سے علماء ہیں ایک تم بھی ہو تا کہ وہ جانیں کہ تم ان کے مرتبہ کو گرانا نہیں جانتے ، ورنہ وہ سب تمہارے خلاف ہوجائیں گے اور تمہارے مذہب اور طریقہ پر اعتراض کریں گے ، اور عام لوگ بھی تمہارے خلاف ہوجائیں گے ، اور تیز نگاہوں سے دیکھیں گے ، تم ان کے نزدیک بلاوجہ مبغوض اور معتوب ہوجاؤ گے ، وہ مسئلہ پوچھیں تو فتوی مت دو ، اور انکے ساتھ مناظرہ اور مجادلہ مت کرو ، ان کے سامنے کوئی چیز پیش نہ کرو مگر واضح دلیل کے ساتھ ، ان کے اساتذہ پر اعتراض نہ کرنا ورنہ وہ تمہارے اوپر اعتراض کریں گے .

لوگوں سے ہوشیار رہو ، اللہ تعالےٰ کیلئے اعمال میں تنہائی اور سِر میں ایسے ہی رہو جیسا کہ ظاہر میں رہتے ہو ، اور عالم کا معاملہ ٹھیک نہیں ہوتا مگر اسی طرح کہ وہ اپنے باطن کو ظاہر کی طرح بنائے ، اگر بادشاہ تم کو کسی کام پر لگائے جسکو تم ٹھیک سے انجام دے سکتے

ہو تو اسی وقت قبول کرنا جب کہ یہ معلوم ہو کہ اگر میں قبول نہ کروں گا تو دوسرا کوئی قبول کرلے گا اور اس سے لوگوں کو نقصان ہوگا ، اور تم جانتے ہو کہ تم کو تمہارے علم کی وجہ سے یہ کام دے رہا ہے .

علم اور غور وفکر کی مجلس میں خوف اور ڈر کے ساتھ بات مت کرنا ورنہ تمہاری زبان لڑکھڑائیگی اور الفاظ میں خلل ہوگا ، زیادہ ہنسنے سے پرہیز کرنا اس سے دل مردہ ہوجاتا ہے ، عورتوں کے ساتھ زیادہ رہنا اور بات کرنا بھی دل کو مردہ کردیتا ہے ، اور کوئی کام شروع مت کرو مگر اطمینان وسکون کے ساتھ ، اور کاموں میں جلد بازی نہ کرو ، کوئی تم کو پیچھے سے بلائے تو اس کو جواب مت دو ، جانوروں کو پیچھے سے بلاتے ہیں ، جب بات کرو تو زیادہ شور مت مچاؤ ، اور آواز بلند مت کرو ، اور اپنے لئے سکون اور کم حرکت کی عادت ڈالو تا کہ لوگ سمجھیں کہ یہ باوقار اور ثابت قدم آدمی ہے ، لوگوں کے درمیان کثرت سے اللہ تعالے کا ذکر کرو تا کہ لوگ تم سے اسکو سیکھیں ، اور نمازوں کے بعد اپنا وظیفہ مقرر کرو ، اس میں قرآن پڑھو ، اللہ تعالے کا ذکر کرو ، اللہ تعالے نے جو نعمتیں اور صبر کی توفیق دی ہے اس پر اس کا شکر ادا کرو ، اور اپنے طور سے ہر مہینہ کچھ دن مقرر کرلو روزہ رکھنے کے لئے تا کہ دوسرے لوگ اس میں تمہاری پیروی کریں ، اپنے لئے صرف اتنی عبادت پر راضی نہ ہو جتنی عبادت پر عام لوگ راضی ہیں (بلکہ عام لوگوں سے زیادہ عبادت کرو) ، اور علم کی حفاظت کرتے رہو تا کہ دنیا وآخرت میں اپنے علم سے فائدہ اٹھا سکو ، اور خود خرید وفروخت مت کرو بلکہ اس کیلئے ایک اچھا غلام خادم رکھ لو جو تمہارے کام کردیا کرے اور تم کو اس پر اعتماد ہو ، اور دنیا اور ان نعمتوں پر مطمئن نہ رہو جن میں تم پَل رہے ہو بلکہ ہر وقت خیال ہو کہ اللہ تعالی تم سے اسکا حساب لیں گے ، بے داڑھی مونچھ کے غلام مت خریدنا ، اپنی طرف سے بادشاہ سے قرب ظاہر نہ کرنا ، اگرچہ وہ لوگ تمکو قریب کریں ، اسلئے کہ پھر وہ لوگ اپنی ضرورتیں تمہارے سامنے پیش کریں گے ، اگر ان کو پوری کروگے تو تمہاری توہین کریں گے اور پوری

نہ کروگے تو تم پر عیب لگائیں گے، لوگوں کی غلطیوں میں ان کا ساتھ مت دو، صرف ٹھیک کاموں میں ساتھ دو، اگر کسی انسان کے اندر بُرائی جانتے ہو تو اس کا تذکرہ اس بُرائی کے ساتھ مت کرو بلکہ اس میں کوئی بھلائی تلاش کرو اور اس بھلائی کے ساتھ اس کا تذکرہ کرو، ہاں اس کے دین میں کوئی خرابی ہو تو لوگوں کو بتادو تاکہ لوگ اس میں اس کا اتباع نہ کریں، اُس سے ہوشیار رہیں، آنحضور ﷺ کا ارشاد ہے: فاجر کے فجور کا تذکرہ کرو تاکہ لوگ اس سے پرہیز کریں اگرچہ وہ جاہ ومرتبہ والا کیوں نہ ہو [1] اور کسی کے دین کے اندر تم خلل اور نقصان دیکھو تو اسکے جاہ سے مت ڈرو بلکہ اس کا تذکرہ کرو، اللہ تعالیٰ تمہاری اور دین کی نصرت اور مدد فرمائیں گے، اگر ایک مرتبہ ایسا کیا تو لوگ تم سے ڈریں گے اور کوئی دین میں بدعت ظاہر کرنے کی ہمت نہیں کرے گا ۔

اور جب بادشاہ سے ایسا کام دیکھو جو علم کے مطابق نہیں تو اس سے اس کا تذکرہ کرو اسکی فرمانبرداری کے ساتھ، اسلئے کہ اسکا ہاتھ تمہارے ہاتھ سے قوی ہے، اس سے اس طرح کہو کہ میں آپ کی بات مانوں گا جو آپ حکم دیں گے، لیکن آپ کے طریقوں میں میں ایسا کام دیکھ رہا ہوں جو علم کے مطابق نہیں، بادشاہ کے ساتھ ایک دفعہ کہہ دیا تو کافی ہے، اگر بار بار ہمیشہ کہتے رہوگے تو تمکو ہٹادیں گے اور اس میں دین کا نقصان ہوگا، ایک دو دفعہ ایسا کرلو تاکہ وہ دیکھ لے کہ تم دین میں کوشش کرتے ہو اور بھلائی کا حکم دینے میں حریص ہو، اگر دوبارہ ایسا کرے تو تنہائی میں اس کے پاس اس کے گھر جاؤ، اور دین کی نصیحت کرو، اگر بدعتی ہے تو اس سے مناظرہ کرو اگرچہ وہ بادشاہ ہے، جو قرآن کی آیتیں اور حدیثیں یاد ہیں اس کے سامنے ذکر کرو، اگر قبول کرے تو بہت اچھا، ورنہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ اللہ تعالےٰ تمکو اس سے بچائے، اپنی موت کو یاد کرو، اور اپنے اساتذہ اور جن سے علم حاصل کیا ہے ان کیلئے

---

[1] یہ حدیث ملا علی قاری کے خیال میں تعدد طرق کی وجہ سے قوی ہوگئی ہے۔ (کوثری)

دعائے مغفرت کیا کرو، ہمیشہ قرآن کریم کی تلاوت کیا کرو، قبرستان اور مقدس جگہوں کی زیارت کثرت سے کیا کرو، اور عام لوگ جو خواب بیان کریں آنحضرت ﷺ کے بارے میں یا صالحین کے خواب مساجد اور مقدس جگہوں اور قبروں کے بارے میں انکو قبول کرو۔

ہوائے نفسانی والوں میں سے کسی کے ساتھ مت بیٹھو مگر دین اور سیدھے راستہ کی دعوت کیلئے، لعن طعن گالی گلوچ مت کرنا، مؤذن جب اذان دے تو مسجد میں داخل ہونے کیلئے تیار ہوجاؤ تاکہ عام لوگ تم سے پہلے نہ پہونچ جائیں، بادشاہ کے پڑوس میں اپنا گھر مت بنانا، اپنے پڑوسی میں کوئی عیب دیکھو تو اس کو چھپادو، اسلئے کہ وہ امانت ہے، لوگوں کے بھید ظاہر مت کیا کرو، کسی کام میں تم سے کوئی مشورہ کرے تو ایسا مشورہ دو جس میں تم سمجھتے ہو کہ یہ مشورہ تم کو اللہ تعالےٰ سے قریب کردیگا۔

میری یہ وصیت قبول کرو، ان شاء اللہ تعالیٰ یہ تم کو دنیا اور آخرت میں نفع دیگی، اپنے کو بخل سے بچانا، اس سے انسان کو رسوائی ہوتی ہے، لالچی اور جھوٹا مت بننا، خلط ملط کرنے والا بھی مت بننا، بلکہ تمام کاموں میں اپنی جوانمردی اور بلند ہمتی کو محفوظ رکھنا، اور ہمیشہ سفید کپڑے پہننا، دل سے مالدار رہنا، اپنی طرف سے دنیا سے بے رغبتی اور لالچ نہ ہونے کا اظہار کرنا، اپنی طرف سے مالداری کا اظہار کرنا، فقر ومحتاجی کا نہیں اگرچہ فقیر ہو، بلند ہمت رہنا، جس کی ہمت کمزور ہوتی ہے اس کا مرتبہ بھی کمزور رہتا ہے، راستہ میں چلو تو زمین پر نگاہ رکھ کر چلو، دائیں بائیں مت دیکھو، اور جب غسل خانہ میں جاؤ تو حمّام کی اجرت اور بیٹھنے کی جگہ عوام کے برابر نہ رکھو، بلکہ لوگوں سے زیادہ اجرت دو تاکہ لوگوں کے درمیان تمہاری شرافت ظاہر رہے، تو لوگ تمہاری عزت کریں گے۔

خود اپنا سامان بنکر کاریگروں کو مت دو بلکہ قابلِ اعتماد آدمی رکھو جو یہ کام انجام دے، دانق (درہم کا ایک حصہ) اور دانوں کا حساب مت کرو، اور دراہم کو خود وزن مت کرو، بلکہ دوسرے سے یہ کام کراؤ، اہلِ علم کے سامنے کمینی دنیا کی حقارت بیان کرو، اسلئے کہ تمہارے

پاس جو کچھ ہے وہ دنیا سے بہتر ہے، اپنا کام دوسرے سے کراؤ تاکہ علمی کام کیلئے تم کو فرصت ہو، اس سے تمہارے مرتبہ کی حفاظت رہے گی، پاگلوں سے اور ان اہل علم سے بھی بات مت کرو جو مناظرہ کرنا اور بحث کرنا نہیں جانتے، اور ان لوگوں سے بھی نہیں جو جاہ کے طالب ہیں اور عوام میں مسائل کا تذکرہ کرتے رہتے ہیں، یہ لوگ تمکو شرمندہ کرنا چاہیں گے، تمہاری کوئی رعایت نہیں کریں گے اگرچہ تم کو حق پر جانتے ہوں۔

جب بڑے لوگوں کے پاس جاؤ تو ان میں بڑے نہ بنو جب تک وہ تم کو بڑا نہ بنائیں ورنہ ان سے تم کو اذیت پہونچے گی، اور جب کسی قوم میں ہو تو نماز پڑھانے کیلئے آگے نہ بڑھو جب تک کہ وہ خود تم کو تعظیم کے طریقہ پر آگے نہ بڑھائیں، حمّام میں صرف دوپہر کے وقت جاؤ یا صبح کو، تماشا گاہوں کی طرف مت جاؤ، بادشاہوں کے ظلم کی جگہ مت جاؤ، ہاں اگر معلوم ہو کہ تمہاری بات مان لیں گے اور حق کو اختیار کرلیں گے تب جاؤ، ورنہ اگر تم وہاں رہو اور غلط کام ہو رہا ہو اور تم ان کو روک نہیں سکتے تو لوگ تمہاری موجودگی سے یہ سمجھیں گے کہ یہ کام صحیح ہے، کیونکہ تم اس وقت خاموش تھے۔

اپنے کو مجلسِ علم میں غصہ سے بچانا، اور عام لوگوں کو قصے مت سنانا اسلئے کہ قصہ گو ضرور جھوٹ بولتا ہے، اگر تم کسی عالم کیلئے مجلس علم قائم کرنے کا ارداہ کرو تو اگر فقہ کی مجلس ہے تو تم خود بھی حاضر ہو اور جو تم کو معلوم ہے اس کو ذکر کرو، تاکہ لوگ تمہاری موجودگی سے دھوکہ نہ کھائیں، یہ نہ سمجھیں کہ وہ عالم بڑا عالم ہے حالانکہ وہ ایسا نہیں، اگر وہ فتوی دینے کے لائق ہے تو اسکو ذکر کردو ورنہ تم خود وہاں نہ بیٹھو کہ وہ تمہارے سامنے درس دے بلکہ اس کے پاس اپنے کچھ ساتھی چھوڑ دو تاکہ وہ آکر تم کو بتادیں کہ اس کا بیان کیسا تھا اور اس کے علم کی مقدار کیا ہے؟ ذکر کی اور اس شخص کی مجلس میں شرکت مت کرو جو اس لئے مجلس قائم کرتا ہے کہ تمہاری عزت و جاہ کی وجہ سے اسکی تائید اور تزکیہ ہو جائے، بلکہ محلّہ والوں کو اور اپنے عام لوگوں کو جن پر تم کو اعتماد ہے اپنے بعض شاگردوں کے ساتھ وہاں بھیج دو، نکاح کی مجالس کے

خطبوں کو اپنے علاقہ کے خطیب کے حوالہ کردو، اسی طرح عیدین اور جنازوں کی نماز کو بھی دوسروں کے حوالہ کردو، اپنی نیک دعاؤں میں مجھکو نہ بھولنا، یہ میری نصیحت قبول کرنا، میں نے یہ وصیت صرف تمہارے اور مسلمانوں کے فائدہ کیلئے کی ہے۔ اھ

یہ ایک نہایت انوکھی وصیت اور نہایت جامع نصیحت ہے جو زندگی کے تمام شعبوں کو حاوی ہے، اور ایسے تمام امور کو شامل ہے جس سے آخرت سُدھر جائے، ایک بہترین وصیت ہے جو ایک عالم استاذ نے اپنے شاگرد کو کی ہے، میرا جی نہیں مانا کہ میں اس کتاب کو اس وصیت سے خالی رکھوں اگرچہ علماء میں یہ وصیت مشہور ہے۔

طبقاتِ فقہاء میں ابن کمال پاشا کے کلام پر شہاب الدین مرجانی کا اعتراض

فقہاء کے طبقات میں وزیر ابن کمال پاشاؒ (متوفی ۹۴۰ھ) کا رسالہ ہم حاشیہ میں پہلے نقل کرچکے ہیں ہم نے کتاب میں وعدہ کیا تھا کہ کتاب کے آخر میں اس پر مرجانی کا اعتراض ذکر کریں گے، اسلئے کہ اس میں بہت فوائد ہیں، اب میں اپنا وعدہ پورا کررہا ہوں، اور بحث کرنے والوں کیلئے اس کو پیش کررہا ہوں۔

شہاب الدین مرجانیؒ (متوفی ۱۳۰۶ھ) نے اپنی کتاب ناظورۃ الحق میں فرمایا [1]

(کتاب کا پورا نام ہے :ناظورة الحق فی فرضية العشاء و ان لم يغب الشفق. ۱۲مترجم]:

جان لو کہ مجتہد کی دو قسمیں ہیں (۱) مجتہد مطلق: یہ وہ مجتہد ہے جس کو فقہ میں کامل ملکہ حاصل ہو، اور اپنی شرافت اور کامل بصیرت کی وجہ سے وہ دلائل سے مسائل کے استنباط پر مستقلا قادر

---

[1] اس کتاب کی تصویر ہمارے پاس موجود ہے، یہ مضمون ص ۵۶ سے ۶۵ تک ہے۔ فضل الرحمٰن

ہو جیسے امام ابوحنیفہ، ابو یوسف، محمد، زفر، مالک، الشافعی، احمد، ثوری، اوزاعی (رحمہم اللہ تعالی)

(۲) کسی امام کے مذہب میں مجتہد: اسکی تعریف میں لوگوں نے فرمایا یہ وہ عالم ہے جسکے پاس اس کے امام کے اصول اور اس کے دلائل ثابت ہو چکے ہوں اور اس کے نزدیک اسکے امام کی عبارتیں ایسے اصول کی طرح ہیں کہ جن مسائل کو نصوص شرعیہ سے نہ جان سکے اس کو اصولِ امام پر متفرع کر کے اسی طرح استنباط کر لے جیسے نصوص شرعیہ سے کرتا ہے، اور احکام کو اسی طرح امام کے اصول پر اتارتا چلا جائے۔

یہ جماعت اگر چہ اجتہادِ مطلق کے درجہ کو نہیں پہونچی بلکہ فقہ میں اس سے فروتر ہے لیکن مقلد بھی نہیں ہے، بلکہ یہ لوگ نظر و استدلال والے ہیں اور اصول میں بصیرت اور فقہ میں پوری معلومات رکھتے ہیں، انکو علم وفکر اور نفس کی فقاہت میں عالی مقام حاصل ہے، جرح و تعدیل اور کمزور و صحیح حدیثوں کے درمیان فرق کرنے میں پوری قدرت حاصل ہے، مذہب کے مسائل ان کو اچھی طرح محفوظ ہیں، ان کی طرف سے مدافعت اور جواب دینے، مسئلہ کی تلخیص میں دلائل کی تقریر و تفصیل میں ان کو مہارت حاصل ہے، وہ فتوے دیا کرتے تھے، مسائل کی تخریج کیا کرتے تھے اور شبہات کو دور کیا کرتے تھے۔

پھر ان کے بعد ایسے لوگ آئے جو علم میں مختلف مرتبے پر ہیں، کوئی روایت میں قابل اعتماد ہے کوئی کمزور، فقہ و درایت میں کوئی کامل ہے کوئی قاصر۔

ابن کمال پاشاؒ کی تقسیم

علامہ احمد بن سلیمان رومی جو ابن کمال پاشا سے مشہور ہیں، حکومت عثمانیہ میں مشہور فاضل گزرے ہیں (متوفی ۹۴۰ھ) انھوں نے فقہاء کو سات طبقات پر تقسیم کیا ہے:

(۱)۔ طبقۂ اولی: شریعت میں ائمہ مجتہدین جیسے ائمہ اربعہ اور جنھوں نے انکے طریقہ پر

اصول کے قواعد بنائے اور ادلۂ اربعہ سے جزئیات کے احکام خود نکالے، کسی کی تقلید نہیں کی نہ اصول میں نہ فروع میں۔

(۲)۔ مجتہدین فی المذہب: جیسے امام ابوحنیفہؒ کے تینوں شاگرد (ابو یوسف، محمد، زفر رحمہم اللہ تعالی) اور جو ان کے طریقہ پر چلے، انھوں نے اپنے امام کے طے کئے ہوئے اصول پر احکام کا استخراج کیا، یہ لوگ بعض احکام اور جزئیات میں اپنے امام سے اختلاف کرتے ہیں لیکن اصول و قواعد میں اپنے امام سے اختلاف نہیں کرتے، یہیں سے یہ لوگ ان لوگوں سے الگ ہو جاتے ہیں جو ان کے امام سے اصول و فروع دونوں میں اختلاف رکھتے ہیں (جیسے امام شافعی وغیرہ)۔

(۳)۔ مجتہدین فی المسائل: جو مسائل میں اجتہاد کرتے ہیں، جیسے خصّاف، طحاوی، کرخی، شمس الائمہ حلوانی، شمس الائمہ سرخسی، فخر الاسلام بزدوی، فخر الدین قاضیخان اور ان جیسے لوگ، جو امام سے اصول و فروع کسی میں بھی اختلاف نہیں کر سکتے، صرف جن مسائل میں امام صاحب سے کوئی تصریح مروی نہیں ان میں امام کے طے کئے ہوئے اصول اور مقرر کئے ہوئے قواعد کی روشنی میں احکام کا استنباط کر سکتے ہیں۔

(۴)۔ مقلّدِین مخرِّجین: وہ مقلدین جو اجتہاد پر بالکل قدرت نہیں رکھتے لیکن اصول و ضوابط پر پوری طرح حاوی ہونے کی وجہ سے مجتہدین سے منقول کسی مجمل ذو وجہین قول کی تفصیل کر سکتے ہیں اور کسی محتمل الامرین حکم کی توضیح کر سکتے ہیں، یہ اصحاب تخریج ہیں، جیسے امام جصاص رازی وغیرہ۔

(۵)۔ اصحاب الترجیح: جیسے امام قدوری، اور صاحب ہدایہ جیسے لوگ، یہ لوگ بعض روایات کو بعض پر ترجیح دیتے ہیں، فرماتے ہیں: هذا أصح رواية ، هذا أوفق للقياس ، و أرفق للناس .

(۶)۔ مقلّدین ممیّزین: وہ مقلدین جو صلاحیت رکھتے ہیں کہ اقوی، قوی اور ضعیف میں

فرق کریں، اسی طرح ظاہرِ مذہب، ظاہرِ روایت اور ان کے سوا میں فرق کرسکیں، جیسے کنز، مختار، وقایہ، اور مجمع وغیرہ کے مصنفین (رحمہم اللہ تعالی) .

(۷)۔ محض مقلدین: وہ مقلدین جو مذکورہ بالا کاموں میں سے کوئی کام نہیں کرسکتے، دُبلے اور پتلے اور یمین وشمال میں فرق نہیں کرتے، بلکہ جو پاتے ہیں سب کو جمع کردیتے ہیں غلط صحیح سب ان کے پاس ہوتا ہے، رات کو لکڑی چننے والے کی طرح، ان کے اوپر افسوس ہے اور ان لوگوں پر بھی جو ان کا اتباع کرتے ہیں .

یہ ہے ابن کمال کا بیان، اس کو تمیمی نے اپنے طبقات میں انہی لفظوں کے ساتھ ذکر کیا ہے، پھر یہ بھی کہا ہے کہ بہت عمدہ تقسیم ہے. اھ

مرجانی کی تنقید: میں کہتا ہوں کہ یہ بہت اچھی تو کیا ہوگی، بالکل صحیح نہیں ہے، صحت سے کوسوں دور ہے، نِری زبردستی، اور محض خیالات ہیں، ایسی باتیں ہیں جن میں کوئی روح نہیں، بے معنی الفاظ ہیں، اس دعوی میں انکا کوئی پیشوا نہیں اور اس دعوی کے صحیح ہونے کا کوئی راستہ نہیں، اگرچہ بعد کے لوگوں نے بغیر کسی دلیل اور حجت کے جو اسکو ثابت کرے انکا اتباع کیا ہے، اگر ہم چشم پوشی کر کے فقہاء اور فقہاء نما لوگوں کے سات طبقات مان لیں اگرچہ ماننے کے لائق نہیں لیکن طبقات کے علماء کی تعیین اور ان کے درجات کی ترتیب میں ان لوگوں نے جو فحش غلطی اور زبردست خطا کی ہے اس سے چھٹکارا نہیں مل سکتا، کاش میں جان لیتا کہ اسکا کیا مطلب ہے کہ ابو یوسفؒ، محمدؒ اور زفر احکام میں اگرچہ اختلاف کرتے ہیں لیکن اصول میں امام ابو حنیفہؒ سے اختلاف نہیں کرتے؟ اصول سے کیا مراد ہے؟ اگر ان کا مقصد وہ اجمالی احکام ہیں جن سے اصول فقہ کی کتابوں میں بحث کی جاتی ہے تو یہ عقلی قواعد اور استدلالی ضوابط ہیں جن کو انسان اسلئے جانتا ہے کہ وہ صاحب عقل ہے، اور نظر وفکر رکھتا ہے، چاہے مجتہد ہو یا نہ ہو، اس کا اجتہاد سے کوئی تعلق نہیں، تینوں ائمہ کی شان اس سے اعلی اور ارفع ہے کہ وہ انکو نہ جانتے ہوں، اگر ان کو غیر کا مقلد مانا جائے تو اس سے یہی لازم آئے گا،

ان کی ذات یقیناً اس سے پاک ہے، ان کا حال فقہ میں مالک، شافعی جیسے لوگوں سے اونچا نہیں ہے تو کسی طرح نیچا اور کمتر بھی نہیں ہے، موافق اور مخالف سب کی زبان پر یہ جملہ ہے اور مَثَل کے طور پر جاری ہے: (أبو حنيفة أبو يوسف) جس کا مطلب یہ ہے کہ فقاہت میں اعلی درجہ تک صرف ابو یوسفؒ پہونچے ہوئے ہیں، اور دوسرا یہ جملہ بھی: (أبو يوسف أبو حنيفة) جس کا مطلب یہ ہے کہ ابو یوسفؒ فقاہت کے اعلی درجہ پر پہونچے ہوئے ہیں، اس سے نیچے نہیں، حصر دونوں صورتوں میں انفرادی ہے .

خطیب بغدادیؒ نے طلحہ بن محمد بن جعفر کا یہ قول نقل کیا ہے کہ امام ابو یوسفؒ کا حال معلوم ہے، انکی فضیلت ظاہر ہے، اپنے زمانہ کے سب سے بڑے فقیہ ہیں، ان کے زمانہ میں ان سے آگے کوئی نہیں تھا، علم وحکمت اور سرداری ومرتبہ میں انتہاء پر تھے، سب سے پہلے شخص ہیں جنھوں نے امام ابو حنیفہؒ کے مذہب پر فقہ کے اصول کو جمع کیا، مسائل کا املاء کرایا اور ان کو پھیلایا، امام ابو حنیفہؒ کے علم کو دنیا کے اطراف میں عام کیا.

امام محمد بن حسنؒ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ امام ابو یوسفؒ بیمار ہوئے اور موت کا خطرہ ہوا تو امام صاحبؒ ان کی عیادت کو گئے، جب باہر نکلے تو فرمایا: اگر یہ نوجوان مرگیا تو زمین والوں میں سب سے بڑا عالم ہے .

اسی طرح امام محمدؒ کی شان میں بھی امام شافعیؒ نے بہت زیادہ تعریف ومدح کے کلمات ارشاد فرمائے ہیں.

ربیع بن سلیمان فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ امام شافعیؒ نے امام محمدؒ کو خط لکھا اور کچھ کتابیں مانگیں، جب دیر ہوئی تو یہ اشعار لکھ کر بھیجے [1]

---

[1] کردری کی مناقب میں یوں ہے (ص۴۲۲):

قل لمن لم تر عيني مثله	من رآه قد رأى من قبله
العلمُ ينهى أهلَه أن يمنعوه أهله	لعلّه يبذله لأهله لعله

قل للذی لم تر عی — نٌ من رآہ مثله
حتی کأن من رآ — ہ قد رأی من قبله
العلم ینهی أهله — أن یمنعوہ أهله
لعلّه یبذله — لأهله لعله

ترجمہ: اس شخص سے کہہ دیجئے جس کو دیکھنے والی آنکھ نے اس جیسے کو نہیں دیکھا ، یہاں تک کہ جس نے انکو دیکھا، گزشتہ زمانہ کے لوگوں کو دیکھا ، کہ علم اہل علم کو اس سے منع کرتا ہے کہ اس کو طالب علم سے روکیں، شاید اس کو طالب علم کیلئے خرچ کریں گے ایسی امید ہے.

اس کے بعد امام محمدؒ نے کتابیں ان کو بھیج دیں .

ابراہیم فرماتے ہیں کہ میں نے امام احمدؒ سے پوچھا کہ یہ باریک مسائل آپ کو کہاں سے معلوم ہوئے ؟ فرمایا : امام محمدؒ کی کتابوں سے .

حسن بن ابی مالکؒ نے فرمایا: امام ابو یوسفؒ بھی ایسی تدقیق نہیں کرتے تھے .

عیسی بن ابان نے فرمایا: امام محمدؒ امام ابو یوسفؒ سے زیادہ فقیہ تھے .

عبد الرحمٰن بن خلدون مالکیؒ نے اپنے مقدمہ میں فرمایا کہ امام شافعیؒ عراق گئے اور امام ابوحنیفہؒ کے شاگردوں سے ملے اور ان سے استفادہ کیا اور اہل حجاز کے طریقہ کو اہل عراق کے طریقہ سے ملایا، اور ایک مذہب کے ساتھ خاص ہوئے ، اسی طرح امام احمد بن حنبلؒ نے بھی باوجود حدیث کے بہت علم ہونے کے امام ابوحنیفہؒ کے شاگردوں سے استفادہ کیا اور ایک مذہب کے ساتھ خاص ہوئے . اھ

کیا آپ نہیں دیکھتے کہ جب بعض شوافع نے یہ دعوی کیا کہ صفت کا مفہوم معتبر ہے، اس کے قائل امام شافعیؒ ہیں، اور ان کی طبیعت سالم ہے، فہم مستقیم ہے، علم کی کثرت اور متبعین کی کثرت ان کے ساتھ موجود ہے اور ان سے یہ بات صحیح طور پر منقول ہے، اسلئے یہی راجح ہے اور اس کے خلاف جو قول ہے کہ صفت کا مفہوم معتبر نہیں وہ مرجوح ہے .

تو بعض شوافع کے اس دعوی اور دلیل کو علامہ ابن الھمام اور دوسرے علماء نے یہ کہکر رد کر دیا کہ یہ سب کمالات امام محمد بن حسنؒ میں موجود ہیں، ان کا زمانہ امام شافعیؒ سے متقدم ہے اور ان کی شان بلند ہے اور وہ اس کی نفی کے قائل ہیں [۱]

امام زفرؒ کے بارے میں امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا: یہ مسلمانوں کے اماموں میں سے ایک امام ہیں ، اور میرے شاگردوں میں سب سے زیادہ قیاس کرنے والے ہیں .

امام مزنیؒ نے ان کے بارے میں فرمایا: کہ قیاس میں سب سے تیز ہیں، اتنی شہادت ان کے بارے میں کافی ہے .

ان میں سے ہر ایک کے اپنے خاص اصول ہیں، جن میں وہ امام ابوحنیفہؒ سے الگ اور مخالف ہیں، اس کی ایک مثال یہ ہے کہ امام اعظمؒ کے یہاں نجاست کی تخفیف میں مؤثر دلائل کا اختلاف ہے، اور صاحبین کے یہاں ائمہ کا اختلاف، بلکہ امام غزالیؒ نے تو یہ فرمادیا کہ صاحبینؒ نے اپنے استاذ امام صاحب کے ساتھ دو تہائی مذہب میں اختلاف کیا ہے .

امام نوویؒ نے اپنی کتاب [تهذیب الأسماء و اللغات] میں ابوالمعالی جوینی سے نقل کیا ہے کہ امام مزنیؒ نے جو کچھ اختیار کیا ہے وہ میرے خیال میں تخریج ہے جو مذہب سے ملحق ہے، کیونکہ وہ امام شافعیؒ کے اقوال کی مخالفت نہیں کرتے ، وہ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کی طرح نہیں ہیں، یہ دونوں تو اپنے استاذ کے اصول کی بھی مخالفت کرتے ہیں .

امام احمد بن حنبلؒ کو تو امام ابوجعفر طبری ابن جریر نے فقہاء میں شمار ہی نہیں کیا اور کہا کہ وہ صرف حفاظِ حدیث میں سے ہیں، اور یہ بات مشہور ہے، ابن خلدون نے کہا کہ امام احمدؒ کے مقلدین کم ہیں اسلئے کہ ان کا مذہب اجتہاد سے دور ہے، اور کہا کہ حنفیہ بحث ونظر

---

[۱] امام جوینی کی برہان میں ہے کہ امام شافعیؒ کے لغت سے استدلال میں توقف ہے، جب کہ امام محمدؒ کا لغت میں حجت ہونا ایسا امر ہے جس کا اعتراف لوگوں نے کیا ہے حتی کہ علامہ ابن تیمیہؒ نے بھی اس کا اعتراف کیا ہے اور صفت کا مفہوم ایک لغوی بات ہے . (کوثری)

والے ہیں ، مالکیہ اہلِ نظر نہیں ہیں ۔ اھ

تو کیسے امام احمدؒ تو شریعت کے مجتہدین میں سے ہوں اور ابو یوسفؒ، محمدؒ اور زفرؒ جو فقہ کی جھاڑی کے شیر اور نظر کے جنگل کے بہادر ہیں وہ مجتہد نہ ہوں ، ہاں یہ ہے کہ وہ اپنے استاذ کی تعظیم اور ان کے مقام کی بہت تکریم اور ان کے حق کی رعایت کی وجہ سے ہمیشہ ان کے مرتبہ کو بلند کرتے رہے، اور ان کی مدد میں اور ان کے اقوال کیلئے استدلال کرنے میں ، اور لوگوں کے سامنے ان کو بیان کرنے میں مشغول رہے، لوگوں کے سامنے انہی کو نقل کرتے ، لوگوں کو انہی کی طرف لوٹاتے ، واقعات پیش آنے کے وقت اسی پر فتوی دیتے ، اصول و فروع کی تحقیق کیلئے فارغ رہتے ، ابواب وفصول کی تعیین کرتے ، محکم قواعد کی تمہید کرتے ، اور مضبوط قیاس تیار کرتے جن سے احکام کا استنباط ہو، صحیح قوانین اور ایسے درست طریقوں کا استنباط کرتے جن سے کلام کے صحیح معانی معلوم ہوں ، یہی طریقہ اپنے استاذ کے مذہب کی تصحیح میں جاری کیا اور جو اس کو اختیار کرنا چاہے اس کیلئے بیان کیا ، کیونکہ ان کا اعتقاد تھا کہ وہ زیادہ عالم اور بڑے متقی ہیں ، انکی پیروی اور انکے اقوال کو لینے کا زیادہ حق ہے، مفتی کیلئے انکا قول زیادہ قابلِ اعتماد اور سائل کیلئے انکا جواب زیادہ مناسب ہے، جیسا کہ مِسعر ابن کِدام نے فرمایا: جو امام ابو حنیفہؒ کو اپنے اور اللہ تعالی کے درمیان واسطہ بنائیگا مجھے امید ہے کہ اسکو کوئی خطرہ نہیں ہوگا ، اور وہ اپنے اوپر احتیاط میں کوتاہی کرنے والا نہیں ہوگا ۔ اھ

اور امام صاحب کا مقام فقہ میں ایسا مقام ہے جس کو کوئی پا نہیں سکتا ، اس کی شہادت اسی لائن کے لوگوں نے دی ہے ، خصوصاً مالک اور شافعی رحمہما اللہ تعالی نے ۔

یہ تلامذہ اس اعتبار سے مخالفین ' جیسے ائمہ ثلثہ اور اوزاعی ، سفیان ثوری وغیرہ سے الگ ہوگئے ، اسلئے نہیں کہ شریعت میں اجتہاد مطلق کے مقام کو نہیں پہونچے ، اگر یہ لوگ اپنے مذاہب اور اقوال کو مخلوق میں پھیلانے کی خواہش رکھتے اور نص اور قیاس سے اس کے لئے استدلال کرتے تو ان کا مذہب امام اعظمؒ سے الگ ایک مخالف مذہب ہوتا ۔

اور اگر اصول سے مراد چاروں دلائل اور شریعت کے اصول یعنی کتاب اللہ، سنت رسول اللہ ﷺ ، اجماع اور قیاس ہیں تو ان سے استدلال اور استنباط میں کوئی اختلاف نہیں ، تمام ائمہ انہی چاروں دلائل سے استدلال کرتے ہیں اور یہیں سے احکام لیتے ہیں ، ان میں امام اعظمؒ کی مخالفت کا کوئی تصور ہی نہیں ہوسکتا ۔

اگر یہ کہا جائے کہ شاید ابن کمال پاشا کا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ امام صاحب کی تقلید اس معنی میں کرتے ہیں کہ صحابہ کے اقوال و مراسیل سے استدلال کرتے ہیں ، استصحاب اور مصالح مرسلہ وغیرہ سے استدلال نہیں کرتے ۔

تو میں کہوں گا کہ یہ بالکل تقلید نہیں ہے، بلکہ اس مسئلہ میں ان تلامذہ کی رائے اپنے استاذ کی رائے کے موافق ہوگئی ہے، ان کے پاس بھی انکی حجیت کے وہی دلائل ہیں جو امام صاحب کے پاس تھے ، دیکھئے امام مالکؒ بھی مراسیل کو حجت مانتے ہیں جیسے امام ابو حنیفہؒ لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ امام مالکؒ امام ابو حنیفہؒ کی تقلید کر رہے ہیں ، اسی طرح امام شافعیؒ مصالح مرسلہ کی حجیت کی نفی کرنے سے امام ابو حنیفہؒ کے مقلد نہیں ہوں گے ۔

سبھی ائمہ اس بات پر متفق ہیں کہ اجماع اور خبر واحد نیز قیاس حجت ہیں اس سے بعض کا بعض کا مقلد ہونا لازم نہیں آتا ، اجماع کی حجیت کا انکار صرف بعض بدعتیوں نے کیا ہے اور قیاس کی حجیت کا انکار داود ظاہری وغیرہ شاذ لوگوں نے کیا ہے ۔

ابو بکر قفال ، ابو علی بن خیران ، قاضی حسین وغیرہ شوافع سے مروی ہے ، یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم امام شافعیؒ کے مقلد نہیں بلکہ ہماری رائے امام شافعیؒ کی رائے کے موافق ہوگئی ہے ۔

امام ابو جعفر طحاویؒ کے حال سے بھی ایسا ہی معلوم ہوتا ہے وہ امام ابو حنیفہؒ کے قول کو اختیار کرتے ہیں ، انکی دلیل پیش کرتے ہیں اور ان کے اقوال کی تائید کرتے ہیں ، جیسا کہ شرح معانی الآثار کے شروع میں فرماتے ہیں : میں ہر کتاب (باب) میں ناسخ و منسوخ اور علماء کی تاویل اور بعض کا بعض کے خلاف استدلال پیش کروں گا ، اور ان میں سے جسکا قول

میرے نزدیک صحیح ہوگا اس کی دلیل پیش کروں گا، جو بھی دلیل صحیح ہوگی، کتاب اللہ یا سنت رسول اللہ ﷺ یا اجماع یا صحابہ یا تابعین رضی اللہ عنہم اجمعین کا متواتر قول. (اس سے معلوم ہوا کہ طحاوی خود مجتہد ہیں، مقلد نہیں).

پھر ابن کمال پاشاؒ نے یہ جو فرمایا کہ خصاف، طحاوی اور کرخی امام ابوحنیفہؒ کی مخالفت نہیں کر سکتے نہ اصول میں نہ فروع میں، یہ بالکل صحیح نہیں، ان لوگوں نے بے شمار مسائل میں اختلاف کیا ہے، ان کے اپنے اختیارات ہیں اصول میں بھی، فروع میں بھی اور قیاس اور سمعی دلائل سے مستنبط اقوال ہیں، منقول اور معقول سے استدلالات ہیں، جس نے بھی فقہ اور خلافیات اور اصول کی کتابوں کا تفصیلی مطالعہ کیا ہے اس پر یہ بات پوشیدہ نہیں ہے.

کرخی امام ابوحنیفہؒ وغیرہ کے خلاف یہ مذہب رکھتے ہیں کہ تخصیص کے بعد عام بالکل حجت نہیں رہتا، اور خبر واحد ایسے مسئلہ میں جس میں عام ابتلاء ہے حجت نہیں، اور جس دلیل سے ضرورت کے وقت بھی استدلال نہیں کیا گیا وہ بھی حجت نہیں.

ابوبکر رازی کا تنہا یہ مذہب ہے کہ عام مخصوص حقیقت ہے اگر جمع باقی ہو، ورنہ مجاز ہے، کیا یہ اصول کے مسائل نہیں ہیں؟

پھر ابن کمال نے ابوبکر جصاص رازی کو ایسے مقلدین میں شمار کیا جو بالکل اجتہاد پر قدرت نہیں رکھتے، یہ ان کے حق میں بڑا ظلم ہے اور ان کو ان کے بلند مقام سے نیچے لانا ہے اور اس سے چشم پوشی ہے، علم میں ان کی جلالتِ شان فقہ میں ان کی وسعتِ معلومات، اصول میں ان کے عالی مقام، نظر و استدلال کے موقعوں پر ان کے قدم کا رسوخ، اور ہاتھ کی گرفت اور روندنے کی شدت سے کھلی ہوئی ناواقفیت ہے.

جو شخص ان کی تصنیفات کو تلاش کرے گا اور ان سے منقول اقوال میں غور کرے گا اسکو معلوم ہوگا کہ ابن کمال نے جن لوگوں کو مجتہدین میں شمار کیا ہے جیسے شمس الائمہ سرخسی اور ان کے بعد کے لوگ یہ سب ابوبکر رازی کے محتاج ہیں اور اسکا ثبوت ان کے وہ دلائل ہیں جن

کو انھوں نے اپنے اقوال کی تائید میں پیش کئے ہیں اور وہ براہین ہیں جن میں اپنے استدلال کو واضح کیا ہے.

رازی بغداد میں پیدا ہوئے جو دار الخلافت اور علم و ہدایت کا مرکز تھا، سلامتی کا شہر اور اسلام کا قلعہ تھا، اطراف عالم میں سفر کیا، شہروں میں گئے اور ماہر و تجربہ کار علماء سے ملے فقہ و حدیث کو بڑے علماء سے حاصل کیا.

شمس الائمہ حلوائی نے ان کے بارے میں فرمایا: یہ بڑے آدمی ہیں علم میں مشہور ہیں، ہم انکی تقلید کرتے ہیں اور ان کی بات لیتے ہیں. اھ

بتایئے ایک مجتہد کے لئے ایک مقلد کی تقلید کیسے صحیح ہوگی؟

کشف الکبیر میں ایسی بات مذکور ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ رازی، امام ابومنصور ماتریدی سے بھی زیادہ فقیہ تھے، قاضیخان نے خصومت کی توکیل میں فرمایا: پردے والی عورت کے لئے جائز ہے کہ وہ وکیل بنائے، اور یہ وہ عورت ہے جو مردوں کے ساتھ کبھی مختلط نہیں ہوئی، خواہ باکرہ ہو یا ثیبہ، اسی طرح اس کو ابوبکر رازی نے ذکر کیا ہے.

ہدایہ میں ہے کہ اگر عورت پردہ والی ہے تو رازی نے فرمایا: کہ اس کی طرف سے وکیل بنانا لازم ہے، پھر فرمایا: یہ ایسی بات ہے جس کو متأخرین نے پسند کیا.

ابن الھمام نے فرمایا: یہ رازی بڑے امام ابوبکر جصاص احمد بن علی رازی رحمہ اللہ ہیں، صاحبِ ہدایہ کا مطلب یہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کی روایت میں اصل (مبسوط) وغیرہ کے ظاہر کے مطابق باکرہ، ثیبہ، پردہ میں رہنے والی اور باہر نکلنے والی عورتوں میں کوئی فرق نہیں ہے، اور فتویٰ ان لوگوں کے اختیار کئے ہوئے قول پر ہے، لہذا رازی کی تخصیص پھر متأخرین کی تعمیم کا فائدہ یہ ہے کہ اس کو شروع کرنے والے رازی ہیں پھر، بعد کے لوگوں نے ان کا اتباع کیا. اھ

شمس الائمہ سرخسی نے اپنی کتابوں میں ابوبکر رازی کی بہت باتیں نقل کی ہیں، اور

اس سے تائید حاصل کی ہے اور ان کی رایوں کا اتباع کیا ہے، پھر حلوائی اور جنکو ابن کمال نے مجتہدین فی المسائل میں شمار کیا ہے سب کا علمی سلسلہ ابوبکر رازی تک جاتا ہے، ابو جعفر استروشنی جو قاضی ابو زید دبوسی کے استاذ ہیں، رازی کے شاگرد ہیں، اور ابو علی حسین بن جعفر نسفی بھی جو شمس الائمہ حلوائی کے استاذ ہیں، رازی کے شاگرد ہیں، اور معلوم ہے کہ سرخسی ان کے شاگرد ہیں اور قاضی خاں ان کے شاگرد کے شاگرد ہیں.

شاید ابن کمال نے دیکھا کہ فقہاء لکھتے ہیں کہ أنه كذا في تخريج الرازي، رازی کی تخریج میں ایسا ہے، تو سمجھا کہ ان کا کام فن میں صرف تخریج ہے، اور انکا انتہائی کارنامہ بس اتنا ہی ہے [1]

امام ابو حنیفہؒ اور ان کے شاگردوں نے تکبیرات عیدین کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ذکر کیا ہے کہ تیرہ (۱۳) تکبیرات ہیں، ان لوگوں نے اصلی تکبیرات کے ساتھ شمار کیا، اور امام شافعیؒ اور ان کے متبعین نے سب زائد سمجھیں، امام ابو یوسفؒ نے امام شعبی کا قول ذکر کیا کہ خنثیٰ مشکل کیلئے دونوں حصوں کا آدھا ہے، اس طرح کہ سات میں سے تین ملے گا، اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ بارہ میں سے پانچ ملے گا، ابو الحسن کرخی نے رکوع وسجود کی تعدیل میں طرفین کے قول کی تخریج کی اور اسکو واجب کہا، ابو عبد اللہ جرجانیؒ نے

---

[1] مرجانی نے ابوبکر رازی کی طرف سے اچھا دفاع کیا، بیشک انکو اجتہاد میں اچھا کمال حاصل ہے، احادیث اور انکے رجال کی معرفت میں انکو کامل دستگاہ حاصل ہے، ابوداود کی احادیث جو مجتہد کیلئے کافی سمجھی جاتی ہیں ان کے نوک زبان پر تھیں، اس کے علاوہ حدیث کی روایت میں بھی بہت توسع تھا، اسکی شہادت ان کی کتابیں دیتی ہیں، جیسے احکام القرآن، جامع کبیر کے دونوں نسخوں پر انکی شرح، مختصر الطحاوی، اور مختصر الکرخی پر ان کی شرحیں، اختلاف العلماء میں انکی مختصر، خصاف کی ادب القضاء پر انکی شرح، ابوبکر ابہری مالکی کے ساتھ ان کا قصہ قضاء کے بارے میں ان کو علم وورع کے اعلی مقام پر پہونچا دیتا ہے، اصول پر ان کی کتاب ایسی ہے کہ پرانے متقدمین میں بھی اس کی مثال نہیں، متاخرین کی کتابوں کو جانے دیجئے، جو انکو سینگھ مارنے جائیگا وہ اپنے سر کو پھوڑیگا، ہاں ہوسکتا ہے کہ ان کی چند کمزور باتیں ہوں بعض لوگوں کی نظر میں یا کچھ شاذ باتیں ہوں حضرت مجاہد کی طرح. (کوثری)

اسکی تخریج کی اور اسکو سنت بتایا، اسکی مثالیں بہت ہیں، بڑے بڑے مجتہدین نے تخریجات کیں لیکن اس سے ان کے اجتہاد کو کوئی نقصان نہیں ہوا، اس تخریج نے انکو اجتہاد کے مقام سے گرایا نہیں، تو پھر یہ تخریج ابوبکر رازی کو بھی ان کے مقام سے نیچے نہیں لائیگی.

پھر ابن کمال نے امام قدوری اور صاحب ہدایہ کو اہل ترجیح میں شمار کیا اور قاضیخاں کو مجتہدین میں باوجودیکہ قدوری شمس الائمہ سے زمانہ کے اعتبار سے مقدم ہیں اور ان سے علم میں اونچے اور وسعت والے ہیں، تو پھر قاضیخاں سے کیوں اعلی نہیں ہونگے ؟!

رہے صاحب ہدایہ! تو اپنے زمانہ میں یکتا اور بے مثل تھے، لوگ ان کی طرف اشارہ کرتے تھے، اور انگلیاں اٹھاتے تھے، جواہر مضیہ وغیرہ میں ہے کہ ان کے زمانہ کے لوگوں نے ان کی فضیلت اور پیشوائی کو تسلیم کیا ہے، جیسے امام فخر الدین قاضی خاں اور امام زین الدین عتابی وغیرہ، اور کہتے ہیں کہ وہ اپنے ہمسروں پر فائق تھے، حتی کہ فقہ میں اپنے اساتذہ سے بھی آگے بڑھ گئے تھے، اور ان کے سامنے لوگ جھک گئے تھے، تو ان کا مرتبہ قاضی خاں سے کئی درجے نیچے کیسے جا سکتا ہے؟! بلکہ وہ قاضی خاں سے زیادہ اجتہاد کے مستحق ہیں اور انکے پاس اس کے اسباب زیادہ مضبوط اور ابواب زیادہ لازم ہیں.

اس کے ساتھ یہ بھی دیکھئے کہ پانچویں اور چھٹیں طبقوں میں ان کے بیان سے کوئی فرق واضح نہیں ہوا، کاش ہمکو معلوم ہوجاتا کہ کس آلہ سے انکو ناپا اور انکے درمیان یہ فرق پایا، وہ اس معاملہ میں بہت کم تجربہ رکھتے ہیں، کتاب میں جن لوگوں کا تذکرہ ہے ان سے ان کو مناسبت بہت کم ہے، ان میں بہتوں کو پہچانتے نہیں ہیں، دو کو ایک اور ایک کو دو سمجھتے ہیں، متقدم کو مؤخر اور مؤخر کو مقدم کر دیتے ہیں، بہت سی کتابوں کو انکے مصنفین کے سوا کی طرف منسوب کرتے ہیں، ایسے شخص کو فقہاء کے طبقات اور انکے درمیان درجات کا علم کیسے صحیح ہوسکتا ہے، جب کہ واقعہ یہ ہے کہ اس قاعدہ کا علم بڑے بڑے فقہاء اور علماء کے ائمہ کے درمیان تقریباً محال ہے، ان کا سلسلہ ایک مکمل حلقہ کی طرح ہے، پتہ نہیں چلتا کہ یہ حلقہ کہاں

سے شروع اور کہاں ختم ہوتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا: **و ما نُریهم مِن آیةٍ الّا هی أکبرُ مِن أختِها** (زخرف الآیه ٤٨) **مطلب یہ ہے** واللہ اعلم کہ ہر نشانی کو اگر اُسی کی طرف گہری نظر ڈالی جائے تو دیکھنے والا کہے گا کہ یہ سب سے بڑی نشانی ہے، ورنہ یہ تو نہیں ہوسکتا کہ حقیقۃً ہر نشانی ہر لحاظ سے دوسری سے بڑی ہے، یہ تو تناقض ہوگا، (مطلب یہ ہے کہ ہر نشانی اپنے اندر بہت بڑائی رکھتی ہے، ایک سے ایک ہے ۱۲ مترجم) .

واقعہ یہ ہے کہ عراق کے فقہاء میں القاب میں سادگی تھی، بڑے بڑے القاب نہیں اختیار کرتے تھے، سلف صالح کے طریقہ پر چلنے کی کوشش کرتے تھے،، اونچے اونچے القاب، بڑے بڑے اوصاف سے پرہیز کرتے تھے، ترفع، تعلّی اور عجب سے دور رہتے تھے، پرہیزگاری اور دینداری کے دعوے نہیں کرتے تھے، اکثر گمنامی اور عہدۂ قضاء اور سرکاری عہدوں سے الگ رہنا چاہتے تھے، اپنے کو اپنے بزرگوں کے طریقہ پر رکھنا چاہتے تھے، اپنا شعار اور طریقہ دوسروں کے طریقہ پر نہیں لاتے تھے، اسلئے سلف کی طرح امتیاز اور فرق کے لئے سیدھے سادھے الفاظ استعمال کر لیتے، کبھی پیشہ، قبیلہ، گاؤں یا محلّہ یا کسی اور طرف نسبت کر لیتے تھے، عام اور بازاری لوگ تو اس انتساب کو بھی پسند نہیں کرتے تھے لیکن ان کے یہاں یہی طریقہ تھا، جیسے خصاف، جصاص، قدوری، ثلجی، طحاوی، کرخی، اور صیمری، انکے متأخرین نے بھی یہی طریقہ اختیار کیا اور اسی طرح کی نسبت اختیار کی اس پر اضافہ اور زیادتی نہیں کی.

لیکن خراسان اور خاص طور سے ماوراء النہر کے لوگوں پر درمیانی اور آخری صدیوں میں اکثر یہ عادت رہی ہے کہ وہ دوسروں پر بڑے بننے میں غلو کرتے رہے، اپنے حال کو اچھا سمجھتے رہے، اور اپنے کو بڑھاتے چڑھاتے رہے عجب و کبر کی وجہ سے، لیکن شہرت و ریاء کیلئے تواضع میں تصنع اور تکلف کرتے رہے، دوسروں سے حدیث لینے کو حقارت سمجھتے تھے اور روئے زمین پر اپنے ہی علاقہ کو عزت کی جگہ سمجھتے اور بس، اپنے جی میں ایسا سمجھتے تھے

کہ سارا عالمِ وجود انکے شہر کی بنسبت حقیر ہے، اسی کا اثر ان کے علماء کے بارے میں بھی ظاہر ہوا، اور شریف القاب اور بڑے بڑے اوصاف سے انکو موصوف کیا، جیسے شمس الائمہ، فخر الاسلام، اور صدر الشریعہ، ان کے بعد والوں میں بھی یہی حال رہا کہ وہ اپنے اسلاف کو بہت اونچا بتاتے رہے، اور دوسروں کو نیچا، اپنے کسی شخص کا تذکرہ کرتے تو مبالغہ کے ساتھ، ان کے اوصاف ذکر کرتے تو یوں کہتے: **الشیخ الامام الأجل الزاهد الفقیه** وغیرہ، اور جب غیروں کا کلام نقل کرتے تو صرف یوں کہتے: **قال الکرخی و الجصاص**، اور بسا اوقات انہی کی پیروی کرتے ہوئے دوسرے لوگ بھی ان کا کلام یوں ہی نقل کرتے، تو جو لوگ رجال کے احوال اور انکے مراتبِ کمال نیز علماء کے طبقات اور فقہاء کے درجات سے واقف نہیں وہ بدگمانی میں پڑ جاتے، بڑے بڑے اوصاف دیکھ کر یہی سمجھتے ہیں کہ موصوف بھی ایسے ہی ہیں، تو پھر دوسروں کی فضیلت کا انکار کرتے ہیں اور اللہ کے نیک بندوں کو ہلکا سمجھتے ہیں.

ابن کمال پاشا حکومت کی طرف سے مفتی تھے اسلئے ان کو فتاوی کی کتابوں کا مطالعہ کرنا پڑا، اپنی ضرورت پوری کرنے اور مشکل سے نکلنے کے لئے خوب مطالعہ کیا اور دیکھا کہ ماوراء النہر کے لوگ اپنے کو اوپر لیجاتے ہیں اور دوسروں کو گراتے ہیں ان میں یہ بات بیٹھ گئی اور طبیعت ثانیہ بن گئی، اس کی وجہ سے انھوں نے بے دلیل فیصلے اور ناروا تکلفات کئے، اور جو لکھدیا وہ بعد کے مقلدین کیلئے ایک پتھر کی لکیر ہوگئی، اس سے آگے نہیں بڑھتے اور انکا جو طریقہ ہے اوپر والے کو نیچے لانا اور دوسروں کو انکے رتبہ سے اوپر چڑھانا اس سے ذرا نہیں ہٹتے، بڑے بڑے علماء سے کوئی بات نقل کی جاتی ہے تو بسا اوقات کہدیتے ہیں یہ مجتہدین میں سے نہیں ہیں، کیونکہ ان کے طبقات میں مذکور نہیں ہے.

اہلِ فن سے پوشیدہ نہیں ہے کہ ان صاحب نے اپنی کتاب میں جن کا تذکرہ کیا ہے وہ بہت تھوڑے ہیں، جیسے سمندر سے ایک گھونٹ اور میدان کی تھوڑی سی مٹی.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم کو حکم دیا کہ لوگوں کو انکے درجہ پر اتاریں، حاکم وغیرہ نے اس کی تصحیح کی ہے، یہ سب دین کے ائمہ اور زمین میں حق کے داعی ہیں، لیکن اللہ تعالی نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے.

یہ چند فائدہ کی باتیں اور بحثیں ہیں، کچھ قواعد اور اصول ہیں، فہم وصلاحیت والوں کے لئے، اللہ تعالی ہی سیدھے راستہ کی طرف رہنمائی کرنے والے ہیں، وہ میرے لئے کافی اور بہترین مددگار ہیں. ۱ (ناظورۃ الحق ص ٦٥)

میں نے جو وعدہ کیا تھا کہ شہاب الدین مرجانی محقق کی کتاب [ناظورة الحق فی فرضية العشاء وان لم يغِب الشفق] میں سے نقل کروں گا اس کو کچھ تصرف کے ساتھ میں نے نقل کردیا، یہ کتاب قزان میں ۱۲۸۷ھ میں طبع ہوئی تھی، قزان پرانا بلغار ہے جو وولجا کے شمال میں واقع ہے، لیکن اُس طرف کی مطبوعات بہت سی مخطوطات سے بھی زیادہ کمیاب ہیں، مدت سے اسکو حاصل کرنا مشکل ہے میں نے اس مفید بحث کو غور کرنے والوں کیلئے پیش کرنا مناسب سمجھا باوجودیکہ لمبی ہے اسلئے کہ اس میں بہت فوائد اور اہم تحقیقات ہیں، طبقاتِ فقہاء کا موضوع ایک زمانہ سے بہت اہم رہا ہے، اسلئے کہ ناواقف لوگ اپنی حد پر قائم رہنے کو تیار نہیں، ضروری ہے کہ ان پر دلائل کی لگام لگائی جائے جو انکو صحیح جگہ پہونچائے، اس بحث کیلئے وقت نکالنا ضروری ہے، تاکہ انتشار ختم ہو اور تحقیقات منتشرہ کو جمع کیا جائے، جب اللہ تعالی کی طرف سے توفیق ملے گی کام ہوگا، وہی توفیق دیگا تو امید فعل وعمل کی صورت اختیار کرے گی.

---

۱ استاذ مرجانی نے مذہب میں معتبر متون کی مثال میں یہ کتابیں ذکر کیں: مختصر طحاوی، مختصر کرخی، مختصر حاکم شہید، مختصر قدوری، اس میں بھی ابن کمال سے اختلاف کیا کہ انھوں نے متأخرین کی فقہی متون کا تذکرہ کیا، مرجانی نے مذہب میں کتابوں کے درجات کو تفصیل سے بیان کیا، خوب اور عمدہ کیا، کاش شہاب مرجانی کی یہ کتاب پھر شائع ہوجاتی تو بہت اچھا ہوتا، اسلئے کہ اس میں نادر تحقیقات ہیں. (کوثری)

محقق شہاب الدین مرجانیؒ کا تعارف

ناظورۃ الحق کے مصنف شیخ شہاب الدین بن بهاء الدین مرجانی ہیں، بڑے عالم، گہری نظر والے، حدیث ونظر کے میدان میں دوڑ لگانے والے، ایسے عالم جو بحث میں گہرائی میں جاتے ہیں، فقیہ اصولی، متکلم اور مورخ ہیں.

<u>ولادت</u>: قزان کے ایک گاؤں مرجان میں ۱۲۳۳ھ میں پیدا ہوئے.

اپنے والد سے علم حاصل کیا پھر ۱۲۵۴ھ میں سمرقند و بخارا گئے اور اس علاقہ کے علماء سے علوم حاصل کرکے فارغ ہوئے، وہاں کے بڑے آباد کتبخانوں سے فائدہ اٹھایا، اس زمانہ میں وہاں نادر کتابیں جمع تھیں اس سے بہت سی کتابیں فقہ، اصول، توحید اور تاریخ میں لکھنے پر انکو قدرت حاصل ہوئی، اور نفع بخش کتابیں لکھیں، ان میں سے بہت سی قزان، اصطنبول اور قاہرہ میں طبع ہوئیں.

<u>وفات</u>: اپنے شہر میں ۲۸ رشعبان ۱۳۰٦ھ میں ۸۳ سال کی عمر میں وفات پائی، اللہ تعالی ان کو اپنی رضا اور خوشنودی سے ڈھانک دیں اور اپنی وسیع جنت میں جگہ دیں.

علم کے میدان میں ان کی بڑی گردشیں اور حَملے ہیں، جن میں بعض شاذ چیزیں بھی ہیں جو انکی عمدہ بحثوں کے سمندر میں چھپی ہوئی ہیں، ان کی بحثوں کی اس امت کے علماء کو بڑی ضرورت ہے، وہ لغت میں صرف سُنے ہوئے الفاظ تک محدود نہیں رہتے بلکہ ہر موضوع میں قلم کی لگام کو چھوڑ دیتے تھے جیسے چاہیں چلے، اللہ تعالی اپنے فضل وکرم سے ان کے اور ہمارے ساتھ سہولت اور عفو کا معاملہ فرمائے.

(<u>نوٹ</u> از مترجم: اس کے بعد علامہ کوثریؒ نے تین صفحات میں شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے بعض تفردات اور شذوذ کا تذکرہ کیا ہے، اس کا ترجمہ ہم نے چھوڑ دیا.

اللہ جل شانہ کے فضل وکرم سے رسالہ کی تالیف قاہرہ (حرسها اللّٰہ) میں جمعرات ۲۴ محرم ۱۳۶۸ھ کو پوری ہوئی۔

میں اللہ تعالیٰ کا محتاج محمد زاہد بن حسن بن علی کوثری ہوں، پہلے سلطنت عثمانیہ میں علم کا خادم تھا، اللہ تعالیٰ میری، میرے والدین، مشایخ اور علوم میں میری اسناد کے رجال، میرے رشتہ دار اور تمام مسلمانوں کی مغفرت فرمائیں۔

و صلّى اللّٰه على سيّدِنا محمدٍ و آلِه و صحبِه أجمَعِين

و آخرُ دَعوانا انِ الحمدُ للّٰهِ ربِّ العالَمِين

ترجمہ بندۂ حقیر فقیر پُر تقصیر فضل الرحمٰن اعظمی کے ہاتھوں پورا ہوا

غفر اللّٰهُ له و لوالديه و لأساتذته و لتلاميذه و أولاده و المسلمين و المسلمات أجمعين ، و تقبل الله هذه الخدمة بفضله و منّه و كرمه و جعلها ذريعة لنجاته من النار و فوزه بالجنة . آمين

فضل الرحمٰن اعظمی آزادول ۲/ذوالحجہ ۱۴۳۰ھ ۱۹/نومبر ۲۰۰۹ھ

نظر ثانی ۹/ذوالحجہ یوم عرفہ ۱۴۳۰ھ ۲۶/نومبر ۲۰۰۹ء جمعرات

اس خدمت کو اپنے والد مفتی قاری حافظ حاجی شیخ الحدیث مولانا حفیظ الرحمٰن نور اللہ مرقدہ کے ایصال ثواب کیلئے پیش کرتا ہوں، جنکی وفات ۳/شوال ۱۴۳۰ھ ۲۲/ستمبر ۲۰۰۹ء کو ۱۲ بجے دن میں ہوئی

مآخذ و مصادر

١ أخبار القضاة لابن الجوزیؒ

٢ أخبار أبی حنيفةؒ و أصحابه للطحاویؒ

٣ أخبار أبی حنيفةؒ و أصحابه للصيمریؒ

٤ أخبار القضاة لوكيع القاضیؒ

٥ أخبار القضاة لابن كامل الشجریؒ

٦ اختلاف علماء الأمصار لأبی يوسفؒ

٧ أدب القاضی لأبی يوسفؒ

٨ أصول الفقه علی مذهب أبی حنيفةؒ لأبی يوسفؒ

٩ أصول الجصاصؒ

١٠ الأمالی لأبی يوسفؒ فی نحو ثلاثمائة جزء

١١ الأمم للكورانیؒ

١٢ الانصاف فی بيان سبب الاختلاف للدهلویؒ

١٣ البرهان للجوينیؒ

١٤ تاج التراجم للعلامة قاسمؒ

١٥ تاريخ أصبهان لأبی الشيخؒ

١٦ تاريخ بخاری للنرشخیؒ

١٧ تفسير الأشعریؒ

١٨ تفسير الجبائی

١٩ تفسير عبد السلام القزوينیؒ فی مئات من المجلدات

٢٠ تفسير النقاش

٢١ التفهيمات الالٰهية للدهلويؒ
٢٢ الثغر البسام فى قضاة الشام لابن طولونؒ
٢٣ الثقات لابن حبانؒ
٢٤ الجعديات لعلى بن الجعدؒ
٢٥ جلاء الفهوم فى رؤية المعدوم للكورانيؒ
٢٦ الجليس الصالح للمعافى النهروانى
٢٧ الجواب الشريف للحضرة الشريفة فى أن مذهب أبى يوسفؒ
و محمدؒ هو مذهب أبى حنيفةؒ لعبد الغنى النابلسىؒ
٢٨ جوامع الفقه تحتوى على أربعين كتابا لابى يوسفؒ
٢٩ حجة اللّٰه البالغة للدهلويؒ
٣٠ كتاب الحج الكبير و الصغير لعيسى بن أبانؒ
٣١ ذيل رفع الاصر للسخاويؒ
٣٢ رفع الاصر عن قضاة مصر لابن حجرؒ
٣٣ الرد على سير الأوزاعى لأبى يوسفؒ
٣٤ الرد على مالك لأبى يوسفؒ
٣٥ روضة القضاة للسمنانىؒ
٣٦ سُداسيات للرازيؒ
٣٧ كتاب السر المعزو الى مالكؒ
٣٨ الشامل للاتقانىؒ
٣٩ شرح المشكوة للقاريؒ
٤٠ شن الغارة لابن حجر المكيؒ
٤١ طبقات الفقهاء لابن كمالؒ

٤٢ عقد الجيد للدهلويؒ
٤٣ فضائل أبى حنيفةؒ وأصحابه لابن ابى العوامؒ
٤٤ الفنون لأبى الوفاء بن عقيلؒ
٤٥ فيض البارى أمالى الشيخ أنور الشاه الكشميريؒ
٤٦ فيوض الحرمين للشاه الدهلويؒ
٤٧ قصد السبيل للكورانىؒ
٤٨ قضاة الأندلس للنباهىؒ
٤٩ قضاة قرطبة للخشنىؒ
٥٠ قلائد عقود العقيان فى مناقب أبى حنيفة النعمانؒ لأبى القاسم الشرف القرتبىالزبيدىؒ
٥١ كشف المغطى لابن عساكرؒ
٥٢ كفاية الشعيبى
٥٣ الكواكب الدرارى لابن زكنونؒ
٥٤ ما رواه الأكابر عن مالك لابن مخلد العطارؒ
٥٥ مغازى ابن اسحاقؒ
٥٦ مناقب أبى يوسفؒ للذهبى و القونوى و الزيلعى رحمهم الله
٥٧ مؤلفات الجصاصؒ
٥٨ مؤلفات نافعة فى الائمة ألّفها الأستاذ الكبير محمد أبو زهرةؒ
٥٩ معرفة التاريخ و العلل لابن معينؒ
٦٠ مناقب الشافعىؒ للفخر الرازيؒ
٦١ ناظورة الحق للمرجانىؒ
٦٢ النافع الكبير للكهنويؒ
٦٣ النجوم الزاهرة فى قضاة القاهرة لسبط ابن حجرؒ

مترجم مدظلہ کے مختصر حالات

ولادت وتعلیم: ولادت ۱۴/صفر ۱۳۶۶ھ ۷/جنوری ۱۹۴۷ء کو مئو ناتھ بھنجن یوپی میں ہوئی، تعلیم شروع سے اخیر تک مئو ہی میں حاصل کی ۱۳۸۶ھ میں مفتاح العلوم میں فراغت ہوئی ، بعد فراغت مختلف فنون کی مختلف کتابیں مزید پڑھیں، نیز قراءاتِ سبعہ عشرہ بھی پڑھیں ،محدثِ کبیر علامہ حبیب الرحمٰن اعظمیؒ کے زیرِ نگرانی کتبِ فتاوی کا مطالعہ کیا اور فتاوی نویسی کی مشق کی ، اساتذہ میں محدثِ اعظمیؒ ، حضرت مولانا عبد اللطیف نعمانیؒ، حضرت مولانا عبدالجبار اعظمیؒ اور آپکے والدِ محترم قاری حفیظ الرحمٰنؒ معروف ہیں، آپکے استاذ حضرت مولانا عبدالرشید حسینیؒ نے اپنی ذاتی کتاب ''تحفۃ الاحوذی'' آپ کو ہدیۃً عنایت فرمائی.

خدمات: تین چار سال کے بعد مظہر العلوم بنارس تشریف لے گئے اور ترمذی، مشکوۃ وغیرہ مختلف کتابوں کی تدریس اور فتاوی نویسی کی خدمات انجام دیں، چار سال کے بعد ۱۳۹۴ھ میں جامعہ اسلامیہ ڈابھیل تشریف لائے اور یہاں بھی اکثر درسیات طحاوی، نسائی، ابن ماجہ، مؤطأ امام مالک، مشکوۃ، جلالین، ہدایہ، متنبّی، شرح جامی، ابنِ عقیل وغیرہ زیرِ درس رہیں، سبعہ عشرہ بھی پڑھائی، اور علمِ قراءت اور قراء کے تذکرہ پر مشتمل ایک مقدمہ بھی لکھوایا اور تاریخِ جامعہ بھی مرتب فرمائی جو ہند و پاک سے طبع ہوئی.

۱۴۰۶ھ میں آزادول جنوبی افریقہ تشریف لائے ، یہاں بھی بخاری، مسلم، ترمذی، مشکوۃ، جلالین، الاشباہ والنظائر، ہدایہ، حیاۃ الصحابہ، شرح وقایہ وغیرہ زیر درس رہتی ہیں، ابوداود اور ابن ماجہ وغیرہ بھی خارج میں پڑھائیں.

دیگر خدمات: دار العلوم نعمانیہ چیٹس وتھ ناٹال جس کی ابتداء ۲۰۰۱ء میں ۵ طلبہ سے ہوئی ، اور آپکی امارت و سرپرستی میں ترقی کرتے ہوئے فی الحال تقریبا ۱۲۰ طلبہ کو تعلیم تربیت دے رہا ہے، حفظ کی تعلیم پورے وقت اور اسکول جانے والے طلبہ کیلئے اور عربی کی تعلیم صحاح ستہ تک ہوتی ہے اور دعوہ اور قراءت کا شعبہ بھی ہے اور اسکے ماتحت دوسری جگہوں پر دوسرے ادارے بھی کام کر رہے ہیں، نیز مدرسہ رحمانیہ لوڈیم بھی آپ کی سرپرستی میں مختلف خدمات انجام دے رہا ہے، نیز آپ نے ۲۰۰۲ء میں مدرسہ دعوۃ الحق کی آزادول میں بنیاد ڈالی، جس میں فی الحال ۱۶۰ طلبہ وطالبات دینی ودنیوی تعلیم حاصل کر رہے ہیں، ان میں بہت سے یتیم بچے بھی ہیں اور ایسے بچے بھی ہیں جنکے والدین یا ان میں سے کوئی ایک غیر مسلم ہیں، انکی رہائش اور تعلیم وتربیت اور خوراک وپوشاک وغیرہ کے سب انتظامات مدرسہ کرتا ہے ، انکے علاوہ بھی کئی اداروں کی سرپرستی اور معانت فرماتے ہیں.

دعوت وتبلیغ کے ساتھ بھی بہت گہرا تعلق ہے، مختلف ممالک کا سفر بھی برابر جاری رہتا ہے.

تصوف اور خانقاہ سے بھی تعلق ہے اولاً شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحبؒ سے بیعت ہوئے پھر آپ ہی کے حکم سے حضرت مفتی محمود حسن صاحبؒ سے اصلاحی تعلق ہوا، پھر حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب مدظلہ سے تعلق ہوا اور خلافت سے نوازے گئے، چنانچہ اصلاحی سلسلہ بھی جاری ہے.

تصانیف: آپکی تصانیف ورسائل بھی ۵۰ کے قریب ہونگی، چند یہ ہیں ۱۔ تاریخِ جامعہ ڈابھیل گجرات ہند ۲۔مقدمۂ بخاری ۳۔مقدمۂ ترمذی ۴۔مقدمۂ طحاوی ۵۔قومہ جلسہ میں اطمینان کا وجوب اور ان میں اذکار کا ثبوت ۶۔شبِ براءت کی حقیقت ۷۔عمامہ ٹوپی کرتا ۸۔صحیح اور مناسب تر مسافتِ قصر ۹۔۱۱۔ سوانح امام ابوحنیفہؒ وسوانح امام ابویوسفؒ وسوانح امام محمدؒ ۱۲ و ۱۳۔مقالات اعظمی اردو، عربی ۱۳۔۱۵۔ مقدمہ علم القراءات وتذکرہ ائمہ عشرہ اور انکے رُوات. اور دعوت وتبلیغ سے متعلق کئی کتابیں شائع ہوچکی ہیں.

تأثرات واقوال علماء: عارف باللہ حضرت مولانا محمد احمد پرتاب گڈھیؒ کی خدمت میں حاضری ہوئی، حضرت مولانا لیٹے ہوئے تھے آپ ادباً پاؤں کی طرف جا کر بیٹھ گئے تو حضرت مولاناؒ نے فوراً اپنا پاؤں سمیٹ لیا اور واپسی کے وقت دس روپئے کا نیا نوٹ ہدیۃً عنایت فرمایا.

فرمایا آپکے شیخ حضرت شاہ حکیم محمد اختر صاحب دامت برکاتھم نے: آپکے مکتوبِ محبوب نے قلب کو مسرور کر کے روح پر وجد طاری کردیا، ذوق عاشقی مبارک ... الخ.

فرمایا حضرت مفتی محمد فاروق میرٹھی مدظلہ خلیفۂ حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ نے: اساتذہ میں حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب اعظمیؒ ہیں جو بخاری شریف کا درس دیتے ہیں جو جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل میں استاذ حدیث رہے، خاص طور سے قابل ذکر ہیں جنکو جبلِ علم کہنا مناسب ہے. (افریقہ اور خدمات فقیہ الامت ۱/۱۶۱)

مشہور مبلغ مولانا فاروق مکی صاحب مدظلہ نے آپکے درس میں شرکت فرمانے کے بعد اس طرح اپنے تاثرات کا اظہار فرمایا: ایسا محققانہ اور دلچسپ درس تو مولانا بنوریؒ کا ہوا کرتا تھا ایسا درس آجکل ملنا مشکل ہے، آپکی ذات ساؤتھ افریقہ والوں کیلئے بہت بڑی نعمت ہے اگر آپ یہاں نہ ہوتے تو یہاں یہ دینی اور علمی جو فضاء ہے شاید نہ ہوتی اللہ تعالی ساؤتھ افریقہ والوں کو آپکی قدردانی کی توفیق عطاء فرمائے، تفصیلی حالات آپکی سوانح میں ملاحظہ ہوں

ایک بشارت: شیخ زہیر ناصر الناصر حلبی حنفی مقیم مدینہ منورہ نے اپنے لئے اور اپنی بیٹی اور داماد کیلئے رسالۃ الاوائل پڑھکر حدیث کی اجازت لی اور آپکے خدام سے فرمایا: **مثل هذا الشيخ نادر نادر** ، اور فرمایا: **التزموه ، أولا لايمانه ثم لمحبته النبى ﷺ ثم لعلمه** . ایک مرتبہ شیخ اور دیگر حضرات آپ سے حدیث کا درس لے رہے تھے مسجد نبوی کے اندر، شیخ کے صاحبزادہ نے خواب میں نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: میری مسجد میں حدیث کا درس ہو رہا ہے اور آپ سو رہے ہیں؟ وہ بیدار ہو کر مسجد نبوی میں حاضر ہوئے تو دیکھا کہ آپکا درس جاری ہے....الخ

تالیفات ادارہ احیاء سنت

۱۔ ھدیۃ الدراری (مقدمہ صحیح بخاری) (اردو)

۲۔ ھدیۃ الاحوذی (مقدمہ جامع الترمذی) (اردو)

۳۔ تنویر الحاوی فی تذکرۃ الامام الطحاویؒ (اردو)

۴۔ قومہ اور جلسہ میں اطمینان کا وجوب اور اذکار کا ثبوت (اردو، انگریزی)

۵۔ تعدیل ارکان لملاعلی قاری (عربی مع اردو ترجمہ)

۶۔ عیدگاہ کی سنیت (اردو، انگریزی)

۷۔ ڈاڑھی، مونچھ اور بال کے مسائل (اردو، انگریزی)

۸۔ نماز کی حفاظت اور اسکی پابندی (اردو، انگریزی)

۹۔ خطبات حجۃ الوداع (اردو، انگریزی)

۱۰۔ صحیح اور مناسب تر مسافت قصر (اردو)

۱۱۔ شبِ براءت کی حقیقت مع ضمیمہ (اردو، انگریزی)

۱۲۔ عمامہ، ٹوپی، کرتا (اردو، انگریزی)

۱۳۔ محرم و عاشوراء، فضائل و مسائل (اردو، انگریزی)

۱۴۔ اصلاح نفس اور تبلیغی جماعت (انگریزی)

۱۵۔ حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ اور جماعتِ تبلیغ (اردو، انگریزی)

۱۶۔ معدل الصلوۃ للامام البرکوی (عربی مع اردو ترجمہ)

۱۷۔ تذکرہ صاحب ہدایہ (اردو)

۱۸۔ مقالات عربی (عربی)

۱۹۔ مقالات اردو (اردو)

۲۰۔ کیا تبلیغی کام ضروری ہے؟ (اردو)

۲۱۔ گنجینہ اشعار معرفت (افادات مولانا فضل الرحمٰن مدظلہ) (عربی اردو فارسی)

۲۲۔ سوانح مولانا فضل الرحمٰن صاحب (اردو)

۲۳۔ تذکرۃ الحفیظ (حالات مولانا قاری حفیظ الرحمٰن مدظلہ والد مولانا فضل الرحمٰن مدظلہ) (اردو)

۲۴۔ مقدمہ قراءات اور تذکرہ ائمہ قراءات (اردو)

۲۵۔ عمامہ کی اہمیت اور اس کی سنیت (اردو انگریزی)

۲۶۔ مقدمہ تفسیر و حدیث (اردو)

۲۷۔ سیرت امام محمدؒ (ترجمہ اردو از عربی)

۲۸۔ اماطۃ اللثام عن توارث الامام (عربی)

۲۹۔ The PRESERVATION & Integrity of Hadith

۳۰۔ Allaamah Habeebur Rahman a'zmi